سوال

(56)التحقیقات العلیٰ باثبات فرضیۃ الجمعۃ فی القریٰ

جواب

السلام علیکم ورحمة الله وبركاته

(۱) فرضیتِ صلوۃ جمعہ کی قصبات و دیہات میں احادیث سے ثابت ہے یا نہیں۔ (اس بارے میں ایک روایت حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے سنن بیہقی (۳ ۱۸۳) اور دوسری روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سنن دار قطنی (ص: ۱۶۴) اور سنن بیہقی (۳ ۱۸۴) میں آئی ہے)۔ [ع، ح[ ] ۲(اور شرائط و قیودات واسطے صلوۃ جمعہ جو کتب حنفیہ میں لکھی ہوئی ہیں، وہ احادیث صحیحہ سے مستنبط ہیں یا نہیں؟)۳(اور جو بعض لوگ ظہر احتیاطی بعد اداءِ صلوۃ جمعہ کے پڑھتے ہیں، اس کا پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟'

الجواب بعون الوهاب بشرط صحة السؤال

وعلیکم السلام ورحمة الله وبركاته!

الحمد لله، والصلاة والسلام علىٰ رسول الله، أما بعد!

اِنِ الۡحُکۡمُ اِلَّا لِلّٰہِ (یوسف: ۴۰) ''فرمانروائی صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔''

جواب سوال اول یہ ہے کہ صلوۃ جمعہ فرض عین ہے۔ فرضیت اس کی نص قطعی سے ثابت ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا نُوۡدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنۡ یَّوۡمِ الۡجُمُعَۃِ فَاسۡعَوۡا اِلٰی ذِکۡرِ اللّٰہِ وَ ذَرُوا الۡبَیۡعَ ... (الجمعۃ: ۹)

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو جس وقت کہ پکارا جاوے واسطے نماز کے دن جمعہ کے پس جلدی کرو طرف یاد خدا کے اور چھوڑ دو سودا کرنا۔''

اور سنن ابی داود (ص ۴۱۲ ج ۱) میں ہے:

''عن طارق بن شهاب عن النبی ﷺ قال: ((الجمعة حق واجب على كل مسلم في جماعة إلا أربعة: عبد مملوك أو امرأة أو صبي أو مريض)) رواه أبوداود۔

قال: طارق بن شهاب قد رأى النبي ﷺ ولم يسمع منه شيئا۔'' (سنن أبي داود، رقم الحديث ۱۰۶۷)

''فرمایا رسول اللہ ﷺ نے نماز جمعہ فرض عین ہے ہر مسلمان پر جماعت سے، مگر چار آدمیوں پر۔ ایک غلام پر، دوسرے عورت پر، تیسرے لڑکے پر، چوتھے بیمار پر۔''

اور ایسا ہی مسافر پر بھی فرض نہیں۔ جیسا کہ ترمذی اور احمد نے مقسم عن ابن عباس سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ (سنن الترمذي، رقم الحديث ۵۲۷، مسند أحمد ۱ ۲۲۴) نیز دیکھیں: نصب الراية ۲ ۱۳۶)

کہا ابوداود رحمہ اللہ نے : طارق بن شہاب نے رسول ﷺ کو دیکھا، مگر آپ سے کچھ سنا نہیں ۔ تو یہ حدیث مرسل صحابی ہوئی اور حاکم نے اس کو مسنداً روایت کیا ہے طارق بن شہاب سے، انھوں نے ابو موسیٰ اشعری سے ۔ (المستدرک ۱ ۴۲۵ معرفۃ السنن والآثار ۴ ۳۲۹)

قال العبد الضعیف أبو الطیب عفی عنہ :

''قال الخطابی فی معالم السنن : لیس إسناد ھذا الحدیث بذاک، وطارق ابن شھاب لایصح لہ سماع من النبی ﷺ إلا أنہ قد لقی النبی ﷺ ۔'' انتھی (معالم السنن ۱ ۲۱۴)

''قال العراقی : فإذا قد ثبتت صحبتہ فالحدیث صحیح، وغایتہ أن یکون مرسل صحابی، وھو حجۃ عند الجمھور، وإنما خالف فیہ أبو إسحاق الإسفرائینی، بل ادعی بعض الحنفیۃ الإجماع علی أن مرسل الصحابۃ حجۃ۔'' انتھی (نیل الأوطار ۳ ۲۷۸)

قال الحافظ فی الإصابۃ فی تمییز الصحابۃ (۳ ۲۸۱) : ''إذا ثبت أنہ لقی النبی ﷺ فھو صحابی علی الراجح، وإذا ثبت أنہ لم یسمع منہ فروایتہ عنہ مرسل صحابی، وھو مقبول علی الراجح، وقد أخرج لہ النسائی عدۃ أحادیث، وذلک مصیر منہ إلی إثبات صحبتہ، وأخرج لہ أبو داود حدیثا واحداً، وقال : طارق رأی النبی ﷺ ولم یسمع منہ شیئا، وقال أبو داود الطیالسی : حدثنا شعبۃ عن قیس بن مسلم عن طارق بن شھاب قال : رأیت النبی ﷺ وغزوت فی خلافۃ أبی بکر، وھذا إسناد صحیح، وأخرج البغوي من طریق شعبۃ عن قیس بن مسلم عن طارق قال : رأیت النبی ﷺ الحدیث ۔'' انتھی (ملخصاً)

''بندۂ ضعیف ابوالطیب عفی عنہ نے کہا : الخطابی نے ''معالم السنن'' میں کہا ہے کہ اس حدیث کی سند اس طرح سے (مضبوط) نہیں ہے اور طارق بن شہاب کا نبی ﷺ سے سماع درست نہیں ہے ۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ وہ نبی ﷺ سے ملے تھے ۔ ختم شد۔ العراقی نے کہا ہے کہ اگر ان کی صحبت آپ ﷺ سے ثابت ہے تو حدیث صحیح ہے اور یہ ایک صحابی کی مرسل روایت ہے اور وہ (مرسل صحابی) جمہور کے نزدیک حجت ہے ۔ اس کی مخالفت صرف ابو اسحاق الاسفرائنی نے کی ہے، بلکہ بعض احناف نے اجماع کا دعویٰ کیا ہے کہ مرسل صحابہ حجت ہے ۔ ختم شد۔

حافظ نے ''الإصابۃ فی تمییز الصحابۃ'' (ص : ۲۸۱) میں کہا ہے کہ جب یہ بات ثابت ہوجائے کہ انھوں نے نبی ﷺ سے ملاقات کی ہے تو راجح یہی ہے کہ وہ صحابی ہیں اور جب یہ ثابت ہوجائے کہ انھوں نے آپ ﷺ سے سماعت نہیں کی تو ان کی روایت مرسل صحابی ہے اور راجح یہی ہے کہ وہ روایت قبول کی جائے ۔ نسائی نے ان کی متعدد احادیث کی تخریج کی ہے، جس سے امام نسائی کا رجحان ان کے اثباتِ صحبت کی طرف ظاہر ہوتا ہے ۔ ان کی ایک حدیث کی تخریج ابوداود نے بھی کی ہے اور کہا ہے کہ طارق نے کہا کہ انھوں نے نبی ﷺ کو دیکھا، لیکن کچھ سنا نہیں ۔ ابوداود الطیالسی نے کہا ہے کہ ہمیں شعبہ نے قیس بن مسلم کے واسطے سے بیان کیا، انھوں نے طارق بن شہاب کے واسطے سے کہ میں نے نبی ﷺ کو دیکھا ہے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں غزوہ بھی کیا ہے ۔ یہ صحیح سند ہے ۔ بغوی نے شعبہ کے طریق سے قیس بن مسلم کے واسطے سے تخریج کی ہے اور انھوں نے طارق کے واسطے سے کہ میں نے نبی ﷺ کو دیکھا ہے ۔ الحدیث ۔ ختم شد۔ ''

قال العلامۃ الزیلعی فی تخریج أحادیث الھدایۃ (۲ ۱۹۹)

''قال النووي رحمہ اللہ فی الخلاصۃ : قال أبو داود : طارق رأی النبی ﷺ ولم یسمع منہ، وھذا غیر قادح فی صحبتہ، فإنہ یکون مرسل صحابی، وھو حجۃ، والحدیث علی شرط الصحیحین، ورواہ الحاکم فی المستدرک (۱ ۲۸۸) عن ھریم بن سفیان بہ عن طارق بن شھاب عن أبی موسی رضی اللہ عنہ مرفوعاً، وقال : ھذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین، ولم یخرجاہ، وقد احتجا بھریم بن سفیان، ورواہ ابن عیینۃ عن إبراھیم بن محمد فلم یذکر فیہ أبا موسی، وطارق بن شھاب یعد فی الصحابۃ انتھی ۔ قال البیھقی رحمہ اللہ فی سننہ (۳ ۱۸۳) : ھذا الحدیث وإن کان فیہ إرسال فھو مرسل جید، وطارق من کبار التابعین، وممن رأی النبی ﷺ وإن لم یسمع عنہ، ولحدیثہ شواھد ۔ انتھی

''وأخرج البیھقی من طریق الإمام محمد بن إسماعیل البخاري من روایۃ تمیم الداري عن النبی ﷺ : ((الجمعۃ واجبۃ إلا علی صبی أو مملوک أو مسافر)) ورواہ الطبرانی فی معجمہ، وزاد فیہ : ((المرأۃ والمریض)) وأخرج البیھقی (۳ ۱۸۴) عن ابن عمر قال : سمعت رسول اللہ ﷺ یقول : ((الجمعۃ واجبۃ إلا علیٰ ما ملکت أیمانکم أو علی ذي علۃ)) انتھی کلام الزیلعی (نصب

الراية۲ ۱۳۶(

وقال الحافظ في فتح الباري شرح صحيح البخاري :

''عند أبي داود من طريق طارق بن شهاب عن النبی ﷺ ورجاله ثقات، لكن قال أبوداود : لم يسمع طارق من النبی ﷺ إلا أنه رآه، وقد أخرجه الحاكم في المستدرك میں طريق طارق عن أبي موسى الأشعري۔ ''انتھی (فتح الباری ۲ ۳۵۷(

قال الشوکانی في النيل :

''وقد اندفع الإعلال بالإرسال بما في رواية الحاكم من ذكر أبي موسى۔ ''انتھی (نیل الأوطار ۳ ۲۷۸(

''علامہ زیلعی نے ''تخریج أحادیث الھدایۃ'' (ص ۱۹۹، ج : ۲) میں کہا ہے کہ نووی نے ''الخلاصۃ'' میں کہا ہے کہ ابوداود نے کہا ہے کہ طارق نے نبی ﷺ کو دیکھا اوران سے کچھ سماعت نہیں کیا۔ یہ ان کی صحبت میں غیر قادح ہے اور یہ مرسل صحابی ہے جو قابل حجت ہے اور حدیث صحیحین کی شرط کے مطابق ہے۔ حاکم نے ''المستدرک'' (ص ۲۸۸، ج ۱) میں ہریم بن سفیان کے واسطے سے روایت کی ہے، انھوں نے طارق بن شہاب کے واسطے سے اور انھوں نے ابو موسیٰ کے واسطے سے مرفوعاً اور کہا ہے کہ یہ حدیث صحیحین کی شرط کے مطابق ہے، لیکن ان دونوں نے اس کی تخریج نہیں کی ہے، البتہ دونوں نے ہریم بن سفیان کو قابل صحت مانا ہے اور ابن عینیہ نے اس کی روایت ابراہیم بن محمد کے واسطے سے کی ہے، لیکن اس میں یہ ذکر نہیں ہے کہ ابو موسیٰ اور طارق صحاب میں شمار کیے جاتے تھے۔ ختم شد۔

''بیہقی نے اپنی سنن (ص ۱۸۳ ج ۳) میں کہا ہے کہ اس حدیث میں گرچہ ارسال ہے، لیکن یہ مرسل جید ہے اور طارق کبار تابعین اور ان لوگوں میں سے تھے، جنھوں نے نبی ﷺ کو دیکھا تھا، اگرچہ انھوں نے آپ ﷺ سے سماعت نہیں کی اور ان کی حدیث کے متعدد شواہد ہیں۔ ختم شد۔

امام بیہقی نے امام محمد بن اسماعیل بخاری کے طریق سے تمیم داری کی روایت کی تخریج نبی ﷺ کے واسطے سے کی ہے کہ جمعہ سب پر واجب ہے سوائے بچے، غلام اور مسافر کے۔ اس کی روایت طبرانی نے اپنی معجم میں کی ہے۔ اس میں ایک زیادتی اور بھی ہے کہ عورت اور مریض پر بھی جمعہ نہیں ہے۔ بیہقی نے (ص ۱۸۴ ج ۲) اس کی تخریج ابن عمر کے واسطے سے کی ہے کہ انھوں نے کہا کہ میں نے نبی ﷺ کو کہتے ہوئے سنا کہ جمعہ ہر شخص کے لیے واجب ہے سوائے غلام اور مریض کے۔ زیلعی کا کلام ختم ہوا۔

حافظ نے فتح الباری شرح صحیح بخاری میں کہا ہے کہ ابوداود کے نزدیک طارق بن شہاب کے طریق سے بواسطہ نبی ﷺ۔ اس کے رجال ثقہ ہیں، لیکن ابوداود نے کہا کہ طارق نے نبی ﷺ سے سماعت نہیں کی، البتہ ان کو دیکھا ضرور ہے۔ اس کی تخریج حاکم نے ''المستدرک'' میں کی ہے طارق کے طریق سے ابو موسیٰ اشعری کے واسطے سے۔ ختم شد۔ شوکانی نے ''النیل'' میں کہا ہے کہ حاکم کی روایت کی بنا پر ابو موسیٰ کے ذکر سے ارسال کی علت ختم ہوگئی۔ ختم شد۔''

پس ان سب عبارتوں سے صاف ظاہر ہوا کہ حدیث طارق بن شہاب کی صحیح اسناد ہے۔ اب کوئی محل گفتگو باقی نہ رہا۔ اور صحیح نسائی میں ہے :

''عن حفصة أن النبی ﷺ قال : ((رواح الجمعة واجب على كل محتلم)) رواه النسائي، ورجال إسناده رجال الصحيح إلا عياش بن عياش، وقد وثقه العجلي۔ ''

صحیح نسائی میں باسناد صحیح حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ فرمایا رسول ﷺ نے جمعہ کی نماز کے لیے جانا فرض ہے ہر مرد جوان پر۔

''ويؤيده أيضاً ما أخرجه الدار قطني (ص : ۱۶۴) والبيهقي (۳ ۱۸۴) من حديث جابر : ((من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فعليه الجمعة إلا امرأة أو مسافراً أو عبداً أو مريضاً)) وفي إسناده ابن لهيعة ومعاذ بن محمد الأنصاري، وهما ضعيفان لكن يكفي للاستشهاد۔ ''

''اس کی تائید وہ حدیث بھی کرتی ہے جس کی تخریج دار قطنی نے صفحہ (۱۶۴) میں کی ہے اور بیہقی نے (۲ ۱۸۴) میں کی ہے جابر کی حدیث کہ جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتا ہو، اس پر

جمعہ فرض ہے، سوائے عورت، مسافر، غلام اور مریض کے۔ اس سند میں ابن لہیعہ اور معاذ بن محمد انصاری ضعیف ہیں، لیکن استشہاد کے لیے کافی ہیں۔''

پس آیت کریمہ اوران احادیث مرقومہ بالا سے صاف معلوم ہوا کہ نماز جمعہ کی فرض عین ہے ہر مرد مسلمان صحیح حر بالغ مقیم پر خواہ شہر میں ہو خواہ دیہات میں اور اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے ہر گز یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ شہروں میں نماز جمعہ ادا کرو اور گاؤں میں نہ پڑھو۔ بلکہ جمعہ کی فرضیت آیت اور حدیث سے مطلق ثابت ہے۔ اس میں شہر کی قید نہیں ہے۔ پھر شہر کی قید بڑھانا زیادتی ہے کتاب اللہ تعالیٰ پر اور نزدیک حنفیوں کے وہ جائز نہیں ہے، مگر حدیث مشہور سے، جیسا کہ بیان مفصل اس کا آگے آتا ہے۔ پس جب فرضیت اس کی علی العموم ثابت ہوئی، شہر اور دیہات ہر جگہوں میں، پھر جو شخص باوجود ثبوت فرضیت کے دیہات میں جمعہ ادا نہ کرے، اس کی شان میں یہ وعید شدید وارد ہوئی ہے:

''عن أبي الجعد الضمري، وكانت له صحبة، أن رسول الله ﷺ قال: ((من ترك ثلاث جمع تهاوناً بها طبع الله على قلبه)) رواه أبو داود والترمذي والنسائی'' (سنن أبي داود، رقم الحديث ١٠٥٢، سنن الترمذي، رقم الحديث ٥٠٠، سنن النسائی ١٣٦٩)

''فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جو شخص تین جمعے چھوڑ دے گا سستی سے، مہر کردے گا اللہ تعالیٰ اس کے دل پر۔''

''وعن أبي هريرة وابن عمر أنهما سمعا النبی ﷺ يقول على أعواد منبره: ((لينتهين أقوام عن ودعهم الجمعات أو ليختمن الله على قلوبهم، ثم ليكونن من الغافلين)) رواه مسلم، ورواه أحمد والنسائی من حديث ابن عمر وابن عباس۔'' (صحيح مسلم، رقم الحديث: ١٣٧٠)، (مسند أحمد ١ ٢٣٩، سنن النسائی، رقم الحديث: ١٣٧٠)

''رسول اللہ ﷺ منبر پر فرماتے تھے کہ باز آئیں لوگ نماز جمعہ کے چھوڑدینے سے یا مہر کردے گا اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر، پھر ہوجائیں گے وہ غافلوں سے۔''

''وعن ابن مسعود أن رسول الله ﷺ قال لقوم يتخلفون عن الجمعة: ((لقد هممت أن آمر رجلا يصلي بالناس ثم أحرق على رجال يتخلفون عن الجمعة بيوتهم)) رواه أحمد ومسلم'' (صحيح مسلم، رقم الحديث ٦٥٢، مسند أحمد ٦ ٣٨١)

''فرمایا رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کی شان میں جو کہ نماز جمعہ میں حاضر نہیں ہوتے ہیں، البتہ ارادہ کیا میں نے اس بات کا کہ حکم کروں ایک شخص کو کہ پڑھائے لوگوں کو نماز، پھر جلا دوں گھر ان لوگوں کے جو کہ جمعہ میں حاضر نہیں ہوتے۔''

''وعن عبدالله بن أبي أوفى قال قال رسول الله ﷺ: ((من سمع النداء ولم يأتها ثلاثا، طبع على قلبه، فجعله قلب منافق)) رواه الطبرانی فی الکبیر۔ قال العراقی: إسناده جيد۔'' (نیز حافظ ابن الملقن رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''رواه الطبرانی فی أكبر معاجمه من حديث ابن إسحاق عن شعبة عن محمد بن عبدالرحمن بن سعد بن زرارة عن ابن أبي أوفى به، وهذا إسناد صحيح۔'' (البدر المنير: ٤ ٥٨٨) نیز دیکھیں: إتحاف المهرة لابن حجر ٨ ٢٧٢)

یعنی جس نے جمعہ کی نماز تین مرتبہ ناغہ کی، مہر کردی جائے گی اس کے دل پر۔ پس دل اس کا مثل دل منافق کے ہوجائے گا۔

اوران کے سوا بہت ساری احادیث تارکین صلوٰۃ جمعہ کے بارے میں وارد ہیں۔ اکثر ان احادیث کو حافظ عبدالعظیم منذری رحمہ اللہ نے کتاب ''الترغیب والترهیب'' میں نقل کیا ہے۔ پس مسلمانوں کولازم ہے کہ صلوٰۃ جمعہ کو شعائر اسلام سمجھ کر اس کے ادا میں غفلت وسستی نہ کریں اور وہ لوگ خواہ شہروں میں ہوں یا دیہات میں، فرضیت اس کی ان کے گلے سے اترتی نہیں۔ جس جگہ پر ہوں صلوٰۃ جمعہ کو جماعت سے ادا کریں۔ ورنہ مہر شقاوت ان کے دلوں پر لگادی جائے گی اور دل ان کا مثل دل منافق کے ہوجائے گا۔ (الترغیب والترهیب ١ ٢٩٤)

اب یہ معلوم کرنا چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارک میں نماز جمعہ ہر گاؤں میں پڑھی گئی تھی یا نہیں؟ پس جاننا چاہیے کہ ابوداود وابن ماجہ نے روایت کیا ہے:

''عن عبدالرحمن بن كعب بن مالك، وكان قائد أبيه بعد ما ذهب بصره، عن أبيه كعب، أنه كان إذا سمع النداء يوم الجمعة ترحم لأسعد بن زرارة قال: فقلت له: إذا سمعت النداء ترحمت

لأسعد بن زرارة؟ قال : لأنه أول من جمع بنا في هزم النبيت من حرة بني بياضة في نقيع ، يقال له : نقيع الخضمات ۔ قلت : كم كنتم يومئذ؟ قال : أربعون رجلا'' رواه أبوداود وابن ماجه ، وقال فيه : كان أول من صلى بنا قبل مقدم النبي ﷺ من مكة ۔'' (سنن أبي داود ، رقم الحديث ۱۰۶۹ ، سنن ابن ماجه ، رقم الحديث ۱۰۸۲)

''کعب بن مالک رضی اللہ عنہ جب جمعہ کے دن اذان سنتے تو اسعد بن زرارہ کے واسطے دعا مانگتے ۔ ان کے بیٹے نے کہا : کیا وجہ ہے جب آپ اذان سنتے ہیں تو اسعد بن زرارہ کے واسطے دعا مانگتے ہیں؟ انھوں نے کہا : اس واسطے کہ پہلے جمعہ انھوں نے قائم کیا ہزم النبیت میں ، جو مدینہ میں بنی بیاضہ کے زمینوں میں سے نقیع میں ایک موضع ہے ۔ نقیع وہ مقام ہے جہاں پانی بھرا رہتا ہے ۔ جس کا نام نقیع الخضمات تھا ۔ عبدالرحمن بن کعب کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا : اس وقت آپ لوگوں کی تعداد کیا تھی؟ تو انھوں نے کہا کہ چالیس افراد ۔ اسے ابوداود اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ابن ماجہ نے یہ اضافہ کیا ہے کہ اسعد رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کے تشریف لانے سے پہلے سب سے پہلے جمعہ پڑھایا تھا ۔''

قال في النيل : ''وحديث عبد الرحمن بن كعب أخرجه أيضا ابن حبان ، والبيهقي ، وصححه ، قال الحافظ : وإسناده حسن ، وهزم النبيت موضع من حرة بني بياضة ، وهي قرية على ميل من المدينة ، و بنو بياضة بطن من الأنصار ۔'' انتهى (نيل الأوطار ۳ ۲۸۲)

وقال الحافظ ابن الملقن في البدر المنير : ''وإن كان في إسناده محمد بن إسحاق فقد ذكر سماعه له ففي غير سنن أبي داود : حدثني ۔ قال البيهقي : وابن إسحاق إذا ذكر سماعه وكان الراوي عنه ثقة استقام الإسناد ، قال في سننه : وهذا حديث حسن الإسناد صحيح ، وقال في خلافياته : رواته كلهم ثقات ، وقال الحاكم : صحيح على شرط مسلم ۔'' انتهى (البدر المنير ۴ ۶۰۰)

''النیل'' میں کہا ہے کہ عبدالرحمان بن کعب کی حدیث کی تخریج ابن حبان اور بیہقی نے بھی کی ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے ۔ حافظ نے کہا ہے کہ اس کی سند حسن ہے ۔ ہزم النبیت : بنی بیاضہ کے علاقے میں ایک مقام ہے ۔ یہ بستی مدینے سے ایک میل کے فاصلے پر واقع ہے اور بنو بیاضہ انصار کی ایک شاخ ہے ۔ ختم شد ۔

''حافظ ابن الملقن نے ''البدر المنیر'' میں کہا ہے کہ اگرچہ اس کی سند میں محمد بن اسحاق ہیں ، لیکن ابوداود کے علاوہ دوسری جگہ پر ان کے سماع کی تصریح موجود ہے ۔ بیہقی نے کہا ہے کہ جب ابن اسحاق اپنے سماع کی تصریح کر دے اور اس سے روایت کرنے والا ثقہ ہو تو سند مستقیم ہو جاتی ہے ۔ انھوں نے اپنی سنن میں کہا ہے کہ یہ حدیث سند کے اعتبار سے حسن اور صحیح ہے ، اور اپنی خلافیات میں کہا ہے کہ اس کے تمام رواۃ ثقہ ہیں ۔ حاکم نے کہا ہے کہ مسلم کی شرط پر یہ صحیح ہے ۔ ختم شد ۔''

اور کہا زیلعی نے ''نصب الرایۃ'' (۲ ۱۹۸) میں :

وفيه محمد بن إسحاق ، وهو مدلس ، وقد عنعن ، لكن رواه البيهقي فصرح فيه بالتحديث ۔ قال البيهقي (۳ ۱۷۷) : وهذا حديث حسن الإسناد صحيح ، فإن ابن إسحاق إذا ذكر سماعه ، وكان الراوي عنه ثقة ، استقام الإسناد ۔''

''اس میں محمد بن اسحاق ہیں جو مدلس ہیں ، جنھوں نے عن کے ساتھ روایت بیان کی ہے لیکن اس کو بیہقی نے روایت کیا ہے اور اس میں تحدیث کی صراحت ہے ۔ بیہقی (۳ ۱۷۷) نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن الاسناد اور صحیح ہے ، کیونکہ ابن اسحاق جب اپنے سماع کا ذکر کر دے اور راوی ان سے ثقہ ہو تو سند مستقیم ہوتی ہے ۔''

اور روایت کیا امام بخاری نے صحیح بخاری میں ، وابوداود (ص : ۱۳۱ج : ۱) نے :

''عن ابن عباس رضي الله عنه قال : أول جمعة جمعت في الإسلام بعد جمعة جمعت في مسجد رسول الله ﷺ بالمدينة لجمعة جمعت بجواثا قرية من قرى البحرين ۔ قال عثمان : قرية من قرى عبد القيس ۔'' (۱) صحيح البخاري ، رقم الحديث (۸۵۲) سنن أبي داود ، رقم الحديث ۱۰۶۸)

''عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے پہلا جمعہ جو پڑھا گیا اسلام میں بعد اس جمعہ کے جو مسجد نبوی میں ، وہ جمعہ ہے جو پڑھا گیا جواثا میں ۔ جواثا ایک گاؤں ہے بحرین کے گاؤں میں سے ۔ عثمان نے کہا : وہ گاؤں ہے عبدالقیس کے گاؤں میں سے ۔''

کہا حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری (۱/۴۸۶) میں :

''قوله : بجواثي من البحرين، وفي رواية وكيع : قرية من قرى البحرين، وفي أخرى عنه : من قرى عبد القيس، والظاهر أن عبد القيس لم يجمعوا إلا بأمر النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لما عرف من عادة الصحابة من عدم الاستبداد بالأمور الشرعية في زمن نزول الوحي، ولأنه لو كان ذلك لا يجوز لنزل فيه القرآن كما استدل جابر وأبو سعيد على جواز العزل فإنهم فعلوه والقرآن ينزل، فلم ينهوا عنه، وحكى الجوهري والزمخشري وابن الأثير أن جواثي اسم حصن بالبحرين، وهذا لا ينافي كونها قرية، وحكى ابن التين عن أبي الحسن اللخمي أنها مدينة، وما ثبت في نفس الحديث من كونها قرية، صحيح مع احتمال أن تكون في الأول قرية ثم صارت مدينة۔'' انتھی

''جواثا بحرین سے ہے۔ وکیع کی ایک روایت میں ہے کہ بحرین کے گاؤں میں سے ایک گاؤں ہے۔ انھیں سے دوسری روایت میں ہے کہ عبدالقیس کے گاؤں میں سے ہے اور ظاہر ہے کہ عبدالقیس جمعہ نہیں پڑھتے تھے، مگر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے، کیونکہ صحابہ کی عادت معروف تھی کہ امورِ شریعت میں نزولِ وحی کے وقت وہ بذات خود کوئی کام شروع نہیں کرتے تھے، اور اس لیے بھی کہ اگر ایسا فعل جائز نہ ہوتا تو قرآن میں اس کا نزول ہوتا، جیسا کہ جابر اور ابوسعید رضی اللہ عنہما نے عزل کے جواز کے سلسلے میں استدلال کیا ہے، کیونکہ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا اور قرآن نازل ہو رہا تھا اور ان کو منع نہیں کیا گیا۔ جوہری و زمخشری اور ابن الاثیر نے بیان کیا ہے کہ جواثی بحرین میں ایک قلعے کا نام ہے، لیکن یہ گاؤں ہونے کے منافی نہیں ہے۔ ابن التین نے ابو الحسن لخمی کے واسطے سے بیان کیا ہے کہ یہ ایک شہر ہے۔ لیکن اسی حدیث میں اس کے گاؤں ہونے کا ذکر ہے تو یہ احتمال ہے کہ شروع میں وہ گاؤں تھا اور بعد میں شہر ہو گیا۔ ختم شد۔''

وقال الحافظ أيضا في الفتح (۱/۴۷۳) :

''روى عبد الرزاق بإسناد صحيح عن محمد بن سيرين قال : جمع أهل المدينة قبل أن يقدمها رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وقبل أن تنزل الجمعة، فقالت الأنصار : إن لليهود يوما يجتمعون فيه كل سبعة أيام، وللنصارى كذلك، فهلم فلنجعل يوما نجتمع فيه فنذكر الله تعالىٰ، ونصلي ونشكره فجعلوه يوم العروبة، واجتمعوا إلى أسعد بن زرارة فصلى بهم يومئذ، وأنزل الله تعالىٰ بعد ذلك ﴿إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَوٰةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ ...﴾ الآية۔ وهذا إن كان مرسلا فله شاهد بإسناد حسن أخرجه أحمد وأبو داود وابن ماجه، وصححه ابن خزيمة وغير واحد، من حديث كعب بن مالك قال : كان أول من صلى بنا الجمعة قبل مقدم رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم المدينة أسعد بن زرارة الحديث۔ فمرسل ابن سيرين يدل على أن أولئك الصحابة اختاروا يوم الجمعة بالاجتهاد، ولا يمنع ذلك أن يكون النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علمه بالوحي، وهو بمكة فلم يتمكن من إقامتها، ثم قد ورد فيه حديث عن ابن عباس رضي الله عنهما عند الدارقطني، ولذلك جمع لهم أول ما قدم المدينة كما حكاه ابن إسحاق وغيره۔'' انتهى كلامه

''حافظ نے ''فتح الباری'' (۱/۴۷۳) میں کہا ہے کہ عبدالرزاق نے صحیح سند کے ساتھ روایت بیان کی ہے محمد بن سیرین کے واسطے سے، انھوں نے کہا کہ اہل مدینہ نے جمعہ قائم کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری اور جمعہ کی فرضیت نازل ہونے سے قبل۔ چنانچہ انصار نے کہا کہ یہود کے لیے سات دنوں میں ایک دن مخصوص ہے جس دن وہ مجتمع ہوتے ہیں اور اسی طرح نصاریٰ کا بھی معاملہ ہے تو آؤ ہم لوگ بھی ایک دن مخصوص کر لیں، جس میں ہم لوگ مجتمع ہوں، اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں، نماز پڑھیں اور اس کا شکر بجا لائیں۔ تو ان لوگوں نے ''یوم العروبہ'' کا دن مخصوص کیا اور اسعد بن زرارہ کے یہاں مجتمع ہوئے، جہاں اس روز انھوں نے ان لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد یہ آیت نازل فرمائی کہ ''جب جمعہ کے دن نماز کے لیے پکارا جائے'' یہ روایت اگرچہ مرسل ہے، لیکن اس کا ایک شاہد حسن سند کے ساتھ مروی ہے، جس کی تخریج احمد، ابوداود اور ابن ماجہ نے کی ہے اور ابن خزیمہ وغیرہ نے کعب بن مالک کی حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ کعب بن مالک نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ تشریف آوری سے قبل سب سے پہلے ہم نے نماز جمعہ اسعد بن زرارہ کے ساتھ پڑھی۔ الحدیث۔ ابن سیرین کی مرسل حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ان صحابہ نے جمعہ کا دن اجتہاد سے اختیار فرمایا تھا اور یہ چیز اس بات میں مانع نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکے میں وحی کے ذریعے بتا دیا گیا ہو، لیکن اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں جمعے کی اقامت پر قادر نہیں تھے۔ دارقطنی کے ہاں اس سلسلے میں ابن عباس کے واسطے سے ایک حدیث وارد ہوئی ہے۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے جمعہ قائم کیا، جب سب سے پہلے مدینے میں تشریف لائے، جیسا کہ ابن اسحاق وغیرہ نے بیان کیا ہے۔ کلام ختم ہوا۔''

وقال الحافظ ابن حجر في التلخيص الحبير (ص : ۱۳۳) :

''روى الطبراني في الكبير والأوسط عن أبي مسعود الأنصاري قال : ممن قدم من المهاجرين المدينة مصعب بن عمير، وهو أول من جمع بها يوم الجمعة، جمعهم قبل أن يقدم رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

وهم اثنا عشر رجلا، وفي إسناده صالح بن أبي الأخضر، وهو ضعيف، ويجمع بأن أسعد كان آمرا، وكان مصعب إماما، وروى عبد بن حميد في تفسيره عن ابن سيرين قال: جمع أهل المدينة قبل أن يقدم النبی ﷺ وقبل أن تنزل الجمعة، قالت الأنصار: لليهود يوم يجمعون فيه كل سبعة أيام فذكر مثل ما تقدم، وروى الدارقطني من طريق المغيرة بن عبد الرحمن عن مالک عن الزهري عن عبيد الله عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: أذن النبي ﷺ الجمعة قبل أن يهاجر، ولم يستطع أن يجمع بمكة فكتب إلى مصعب بن عمير: أما بعد فانظر اليوم الذي تجهر فيه اليهود بالزبور فاجمعوا نساءكم وأبناءكم فإذا مال النهار عن شطره عند الزوال من يوم الجمعة فتقربوا إلى الله بركعتين، قال: فهو أول من جمع حتى قدم النبي ﷺ المدينة فجمع عند الزوال من الظهر، وأظهر ذلک'' انتهیٰ کلامہ (التلخیص الحبیر ۲ ۵۷)

وقال الإمام البیهقي في معرفة السنن والآثار:

''وروينا عن معاذ بن موسیٰ بن عقبة ومحمد بن إسحاق أن النبي ﷺ حين ركب من بني عمرو بن عوف في هجرته إلى المدينة مر على بني سالم، وهي قرية بين قباء والمدينة، فأدركته الجمعة فصلى فيهم الجمعة، وكانت أول جمعة صلاها رسول الله ﷺ حين قدم'' انتهی (عون المعبود، ص ۴۱۵، ج ۱) (معرفة السنن والآثار ۴ ۳۲۰)

''وفيه أيضا عن أبي حمزة عن ابن عباس قال: إن أول جمعة جمعت في الإسلام بعد جمعة جمعت في مسجد رسول الله ﷺ بالمدينة لجمعة جمعت بجواثا قرية من قرى البحرين. قال عثمان قرية من قرىٰ عبد القيس، أخرجه البخاري في الصحيح، وكانوا لا يستبدون بأمور الشرع لجميل نياتهم في الإسلام فالأشبه أنهم لم يقيموا في هذه القرية إلا بأمر النبي ﷺ.'' انتهی کلام البیهقی رحمہ اللہ تعالیٰ (عون ص ۴۱۴ ج ۱)، (معرفة السنن والآثار ۴ ۳۱۷)

''حافظ ابن حجر نے ''التلخیص الحبیر'' (ص: ۱۳۳) میں کہا ہے کہ طبرانی نے ''الکبیر'' اور ''الاوسط'' میں ابو مسعود انصاری کے واسطے سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا کہ مہاجرین میں سے جو لوگ مدینے آئے، ان میں مصعب بن عمیر بھی تھے اور یہ پہلے شخص تھے، جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری سے قبل جمعے کے روز لوگوں کو جمعے کے لیے اکھٹا کیا اور وہ بارہ افراد تھے۔ اس حدیث کی سند میں صالح بن ابو الاخضر ہیں، جو ضعیف ہیں۔ دونوں احادیث میں تطبیق یہ ہے کہ اسعد حکم دینے والے تھے اور مصعب امام تھے۔ عبد بن حمید نے اپنی تفسیر میں ابن سیرین کے واسطے سے روایت بیان کی ہے، انھوں نے کہا کہ اہل مدینہ نبی ﷺ کی تشریف آوری سے قبل اور جمعے کے نزول سے قبل جمع ہوئے تو انصار نے کہا کہ یہود کے لیے سات دنوں میں ایک دن مخصوص ہے، پھر پوری حدیث کا ذکر ہے جو اوپر گزری۔ دار قطنی نے مغیرہ بن عبد الرحمن کے طریق سے مالک کے واسطے سے روایت بیان کی ہے، انھوں نے زہری کے واسطے سے، انھوں نے عبید اللہ کے واسطے سے اور وہ ابن عباس کے واسطے سے کہ انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے ہجرت سے قبل جمعے کی اجازت دے دی تھی اور مکے میں جمعے کی اقامت کی استطاعت نہیں رکھتے تھے تو انھوں نے مصعب بن عمیر کو لکھا کہ اس دن کو دیکھو جس دن یہود زبور کو بالجہر پڑھتے ہیں۔ تو تم بھی اپنی عورتوں اور بچوں کو اکھٹا کرو اور جمعے کے روز اور نصف النہار میں زوال کے وقت دو رکعت نماز ادا کر کے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرو۔ راوی نے کہا کہ نبی ﷺ کے مدینے آنے سے قبل یہ سب سے پہلے جمعہ قائم کرنے والے تھے تو لوگوں نے ظہر میں زوال کے وقت جمعے کی نماز ادا کی۔ ان کا کلام ختم ہوا۔

''امام بیہقی نے ''معرفة السنن والآثار'' میں کہا ہے کہ ہم نے معاذ بن موسیٰ بن عقبہ اور محمد بن اسحاق کے واسطے سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے جب مدینے کے لیے ہجرت کا رخت سفر باندھا تو بنی سالم کے پاس سے گزر ہوا، یہ ایک گاؤں ہے جو قبا اور مدینے کے درمیان واقع ہے۔ وہیں جمعہ کا وقت ہو گیا تو آپ ﷺ نے وہاں جمعہ ادا کیا اور یہ پہلا جمعہ تھا جو رسول اللہ ﷺ نے آنے کے بعد پڑھا۔ ختم شد

''اس میں ابو حمزہ کے واسطے سے یہ بھی ہے اور وہ ابن عباس کے واسطے سے کہ ابن عباس نے کہا کہ بے شک اسلام میں پہلا جمعہ، اس جمعے کے بعد جو مدینے کی مسجد نبوی میں قائم ہوا تھا، وہ جمعہ ہے جو جواثا میں قائم کیا گیا، یہ بحرین کے گاؤں میں سے ایک گاؤں ہے۔ عثمان نے کہا کہ یہ عبد القیس کے گاؤں میں سے ایک گاؤں ہے۔ اس کی تخریج بخاری نے صحیح میں کی ہے۔ صحابہ کرام امرِ شریعت میں بذاتِ خود کوئی عمل ایجاد نہیں کرتے تھے، کیونکہ ان کے دلوں میں اخلاص تھا۔ زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ ان لوگوں نے اس گاؤں میں نبی ﷺ کے حکم کے بعد ہی جمعہ قائم کیا ہوگا۔ کلام بیہقی ختم شد۔''

ان روایات مذکورہ بالا سے بخوبی واضح ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارک میں چار مرتبہ متعدد گاؤں میں نماز جمعہ کی پڑھی گئی:

اول : ہزم النبیت میں جوایک گاؤں مدینہ سے ایک کوس کے فاصلہ پر واقع ہے ۔ وہاں حضرت اسعد رضی اللہ عنہ بن زرارہ نے ہمراہ جماعت صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نماز جمعہ کی پڑھی۔

دوسرے : جواثی جو ایک گاؤں ہے بحرین میں ، وہاں صحابہ رضی اللہ عنہم نے جمعہ پڑھا۔

تیسرے : قبل ہجرت فرمانے رسول اللہ ﷺ کے طرف مدینہ کے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں بحکم رسول ﷺ نماز جمعہ پڑھایا۔ باوجود اس کے کہ اس وقت مدینہ منورہ بھی گاؤں ہی کے حکم میں تھا ، البتہ بعد از ہجرت آبادی اس کی بہت بڑھ گئی تھی۔

صحیح بخاری کے ''باب فضل المدینۃ'' میں ہے :

''عن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ : ((أمرت بقرية تأكل القرىٰ يقولون : يثرب ، وهي المدينة)) ''الحديث (صحيح البخاري ، رقم الحديث ١٨٧١ ، صحيح مسلم ، رقم الحديث : ١٣٨٢)

''ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے ایک ایسی بستی کے بارے میں حکم دیا گیا جو دیگر بستیوں کو کھا جاتی ہے ۔ لوگ کہتے ہیں کہ وہ یثرب ہے ، حالانکہ وہ مدینہ ہے ۔ الحدیث''

چوتھے : رسول اللہ ﷺ نے جب مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو بنی سالم میں ، جو ایک گاؤں ہے درمیان قبا اور مدینہ کے ، وہاں نماز جمعہ کی ادا فرمائی ۔

جواب سوال دوم کا یہ ہے کہ شرائط وقیودات واسطے صحت صلوۃ جمعہ کے جو کتب حنفیہ میں مذکور ہیں ، اس کا اثر ونشان احادیث صحیحہ مرفوعہ سے پایا نہیں جاتا ۔ اسی واسطے علامہ شوکانی یمانی نے کتاب ''السیل الجرار المتدفق علی حدائق الأزھار'' میں لکھا ہے :

''قوله : وإمام عادل الخ أقول : ليس على هذا الاشتراط أثارة من علم ، بل لم يصح ما يروى ذلك عن بعض السلف ، فضلا عن أن يصح فيه شيء من رسول الله ﷺ ، ومن طول المقال في هذا المقام فلم يأ بطائل قط ، ولا يستحق ما لا أصل له بل يشغله برده ، بل يكفي فيه أن يقال : هذا كلام ليس من الشريعة ، فكل ما ليس منها فهو ردي مردود على قائله ، مضروب به في وجهه ۔

''قوله : وثلاثة مع مقيمها ۔ أقول : هذا الاشتراط لهذا العدد لا دليل عليه قط ، وهكذا اشتراط ما فوقه من الأعداد ، والاستدلال بأن الجمعة أقيمت في وقت كذا أو عدد من حضرها كذا فهذا الاستدلال باطل لا يتمسك به من يعرف كيفية الاستدلال ، ولو كان هذا صحيحا لكان اجتماع المسلمين معه ﷺ في سائر الصلوة دليلا على اشتراط العدد ، والحاصل أن صلوة الجمعة قد صحت لواحد مع الإمام ، وصلوة الجمعة هي صلوة من الصلوات فمن اشترط فيها زيادة على ما ينعقد فيه الجماعة فعليه الدليل ، ولا دليل ، وقد عرفناك غير مرة أن الشروط إنما تثبت بأدلة خاصة تدل على انعدام المشروط عند انعدام شرطه ، فإثبات مثل هذه الشروط بما ليس بدليل أصلا ، فضلا أن يكون دليلا على الشريطة ، هي مجازفة بالغة ، وجرأة على التقول على الله عزوجل وعلىٰ رسوله وعلى شريعته ، والعجب من كثرة الأقوال في تقدير العدد حتى بلغت إلى ستة عشر قولا ليس على شيء منها دليل يستدل به قط ۔ قوله : ''ومسجد في مستوطن'' أقول : وهذا الشرط أيضا لم يدل عليه دليل يصلح للتمسك به لمجرد الاستحباب فضلا عن الشريطة ، ولقد كثر التلاعب بهذه العبادة حتى وصل إلى حد يفضي منه العجب ، والحق أن هذه الجمعة فريضة من فرائض الله سبحانه وتعالى ، وشعار من شعارات الإسلام ، وصلوة من الصلوات فمن زعم أنه يعتبر فيها ما لا يعتبر في غيرها من الصلوات لم يسمع منه ذلك إلا بدليل ، وقد تخصصت بالخطبة ، وليست الخطبة إلا مجرد موعظة ، يتواعظ به عباد الله ، فإذا لم يكن في المكان إلا رجلان قام أحدهما يخطب واستمع له الآخر ، ثم قاما فصليا صلوة الجمعة ۔'' انتهى كلامه بحروفه (السيل الجرار المتدفق على حدائق الأزهار ٢ ١٨٢)

''ان کا یہ کہنا کہ ''امام عادل ہو ... الخ ۔ میں کہتا ہوں کہ اس شرط پر کوئی علمی دلیل منقول نہیں ، بلکہ اس سلسلے میں وہ بھی درست نہیں ہے جس کی روایت بعض سلف کے واسطے سے کی جاتی ہے ۔ چہ جائیکہ رسول اللہ ﷺ سے یہ بات ثابت ہو ۔ جس نے اس کے متعلق تفصیلی بحث کی ہے ، وہ کوئی فائدہ مند چیز پیش نہیں کر سکا اور جس امر کی کوئی اصل نہ ہو ، وہ تردید کے لیے اس کی مستحق نہیں کہ اس پر بحث کی جائے ، بلکہ اس سلسلے میں یہ کہنا کافی ہے کہ یہ شرعی کلام نہیں ہو سکتا اور جو چیز شریعت میں سے نہیں وہ قابل رد اور قائل کے منہ

پردے ماننے کے قابل ہے۔ ان کا کہنا کہ تین بندے ہوں جن میں ایک مقیم ہو۔ تو میں کہتا ہوں کہ تین کی یہ شرط بالکل بلا دلیل ہے اور اسی طریقے سے اس سے زیادہ تعداد کی شرط۔ اس سلسلے میں یہ استدلال کی نماز جمعہ فلاں وقت قائم کی گئی اور اس میں اتنے لوگ حاضر تھے۔ یہ استدلال باطل ہے اور وہ شخص ہی اس شرط کو گرہ میں باندھ سکتا ہے جو استدلال کی کیفیت سے نا آشنا ہو۔ اگر یہ بات درست مان لی جائے تو تمام مسلمانوں کا اجتماع آپ ﷺ کے ساتھ تمام نمازوں میں مخصوص عدد کی شرط کی دلیل ہوتا۔ حاصل کلام یہ کہ جمعے کی نماز امام کے ساتھ ایک آدمی کی بھی درست ہوگی۔ جمعہ کی نماز دیگر نمازوں ہی میں سے ایک نماز ہے اور جس نے زیادتی کی شرط لگائی ہے کہ اتنی تعداد پر جماعت منعقد ہوگی تو اسے چاہیے کہ وہ دلیل لائے اور حقیقت یہ ہے کہ اس بارے میں کوئی دلیل نہیں ہے۔ ہم یہ بات متعدد بار بتا چکے ہیں کہ شرائط مخصوص دلائل سے ثابت ہوتی ہیں، جو شرط کے انعدام کے وقت مشروط کے انعدام پر دلالت کرتے ہیں، پس اس طرح کی شروط کا اثبات جس کی اصلاً کوئی دلیل نہیں ہے، چہ جائیکہ شریط پر دلیل ہو، یہ صریح ظلم اور جرأت ہے اللہ تعالیٰ پر اس کے رسول پر اور اس کی شریعت پر اور ان پر جھوٹی بات گھڑنے کے مترادف ہے۔ حد درجہ تعجب ہے کہ اس سلسلے میں یعنی عدد کے تعین کے سلسلے میں بہ کثرت اقوال ہیں۔ یہاں تک کہ سولہ اقوال ہیں اور کسی کی کوئی دلیل نہیں ہے، جس سے استدلال کیا جائے۔ درست بات یہ ہے کہ جس طرح بغیر شروط اور عدد کے دوسری جماعتیں ہو سکتی ہیں، اسی طرح جمعہ ہے۔ ان کا یہ کہنا کہ مسجد آباد ہو یا آبادی میں ہو تو میں کہتا ہوں کہ یہ شرط بھی ایسی ہے جس کے استحباب پر کوئی دلیل نہیں لائی جا سکتی چہ جائیکہ اسے شرط بنایا جائے۔ اس عبادت کے بارے میں کھلواڑ بہت زیادہ ہوا ہے، حتیٰ کہ یہ کھلواڑ عجب کی حد کو بھی پار کر گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ جمعہ اللہ تعالیٰ کے عائد کردہ فرائض میں سے ایک فریضہ، اسلام کے شعائر میں سے ایک شعار اور نمازوں میں سے ایک نماز ہے اور جو گمان کرے اس میں ان اعتبارات کا جن کا اعتبار دوسری نمازوں میں نہیں ہے تو اس سلسلے میں اس سے کوئی بات بلا دلیل نہیں سنی جائے گی، البتہ جمعہ کی نماز کے ساتھ خطبہ مخصوص ہے اور خطبہ محض موعظت ہے، پس اگر کسی جگہ دو آدمی سے زیادہ نہیں ہیں تو ان میں ایک کھڑا ہو جائے گا اور خطبہ دے گا اور دوسرا سماعت کرے گا، پھر دونوں کھڑے ہوں گے اور جمعہ کی نماز پڑھیں گے۔ ان کا کلام انھی کے الفاظ میں ختم ہوا۔''

مگر حنفیوں کا دعویٰ ہے کہ ماخذ ان شرائط و قیودات کا وہ اثر ہے، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے:

''لا تشریق ولا جمعة ولا فطر ولا أضحی إلا مصر جامع''

''نہ تشریق ہے نہ جمعہ ہے نہ فطر ہے اور نہ قربانی ہے مگر مصر جامع میں۔''

لیکن معلوم کرنا چاہیے کہ یہ قول حدیث مرفوع نہیں ہے، جیسا کہ فرمایا امام بیہقی نے ''معرفة السنن والآثار'' میں:

''قال الشافعي في القديم: وقال بعض الناس: لا تجوز الجمعة إلا في مصر جامع، وذكر فيه شيئا ضعيفا، قال أحمد: إنما يروی هذا عن علي فأما النبي ﷺ فإنه لا يروی عنه في ذلك شيء۔'' (معرفة السنن والآثار ۴ ۳۲۲)

''شافعی نے قدیم قول میں کہا ہے: ''بعض لوگوں نے کہا ہے کہ جمعہ جائز نہیں ہے مگر مصر جامع میں اور اس بارے میں ضعیف چیز کا ذکر کیا ہے۔ احمد نے کہا کہ اس کی روایت صرف علی کے واسطے سے کی جاتی ہے اور رہی نبی ﷺ کی بات تو آپ ﷺ سے اس بابت کوئی چیز مروی نہیں ہے۔ ختم شد۔''

اور تخریج زیلعی میں ہے:

''قلت: غريب مرفوعا، وإنما وجدناه موقوفا علی علي۔'' (نصب الراية ۲ ۱۳۴)

''میں نے کہا کہ مرفوعاً غریب (ضعیف) ہے اور ہم نے اسے علی رضی اللہ عنہ پر موقوف پایا ہے۔''

اور کہا حافظ نے تلخیص میں:

''حديث علي: لا جمعة ولا تشريق إلا في مصر۔ ضعفه أحمد۔'' (التلخيص الحبير ۲ ۵۴)

''علی کی حدیث ''لاجمعۃ ولاتشریق اِلافی مصر''کواحمد نے ضعیف قرار دیا ہے۔''

اور کہا ''درایہ تخریج احادیث ہدایہ'' (ص : ۱۳۱) میں :

''قال البیھقی : لایروی عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی ذلک شیء'' انتھی (الدرایۃ فی تخریج اَحادیث الھدایۃ ۱ ۲۱۴)

'' بیہقی نے کہا کہ اس سلسلے میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی روایت نہیں بیان کی جاتی۔ ختم شد''

بلکہ یہ قول حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہے، روایت کیا اس کو عبدالرزاق نے مصنف میں :

''أخبرنا معمر عن اَبی إسحاق عن الحارث عن علی، قال : لاجمعۃ ولا تشریق إلافی مصر جامع۔'' (مصنف عبدالرزاق ۳ ۱٦۷)

ورواہ ابن أبی شیبۃ : حدثنا عباد بن العوام عن حجاج عن اَبی إسحاق عن الحارث عن علی قال : لاجمعۃ ولا تشریق ولا صلوۃ فطر ولا اَضحی إلا فی مصر جامع اَو مدینۃ عظیمۃ۔ انتھی (صنف ابن اَبی شیبۃ ۱ ۴۳۹، نصب الرایۃ ۲ ۱۳۴)

والحدیثان ضعیفان، الحارث الأعور ضعیف جدا۔

ورواہ عبدالرزاق أیضا : أنبأ الثوري عن زبید الیامی عن سعد بن عبیدۃ عن اَبی عبدالرحمن السلمی عن علی قال : لاتشریق ولاجمعۃ إلافی مصر جامع۔'' (مصنف عبدالرزاق ۳ ۱٦۸)

قال فی الدرایۃ (ص : ۱۳۱) : إسنادہ صحیح۔

وقال البیھقی فی المعرفۃ : أخبرنا علی بن اَحمد بن عبدان قال : حدثنا شعبۃ عن زبید الیامی عن سعد بن عبادۃ عن اَبی عبدالرحمن السلمی عن علی قال : لاتشریق ولاجمعۃ إلافی مصر جامع، وکذلک رواہ الثوري عن زبید موقوفا۔ انتھی (معرفۃ السنن والآثار ۴ ۳۲۳)

واَخرج ابن أبی شیبۃ حدثنا جریر عن منصور عن طلحۃ عن سعد بن عبیدۃ عن اَبی عبدالرحمن عن علی : لاجمعۃ ولا تشریق۔ الحدیث۔ قال العینی فی شرح البخاري : ''سندہ صحیح'' (مصنف ابن اَبی شیبۃ ۱ ۴۳۹)، (عمدۃ القاري ٦ ۲۸۹)

''ہمیں معمر نے بتایا ابواسحاق کے واسطے سے، انھوں نے حارث کے واسطے سے اور انھوں نے علی کے واسطے سے کہ علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جمعہ اور تشریق صرف شہر کی جامع مسجد میں ہے۔ اس کی روایت ابن ابی شیبہ نے کی ہے۔ انھوں نے بتایا کہ ہمیں عباد بن عوام نے حجاج کے واسطے سے حدیث بیان کی، انھوں نے ابواسحاق کے واسطے سے اور وہ علی رضی اللہ عنہ کے واسطے سے بیان کرتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نہ جمعہ کی نماز، نہ تشریق، نہ عیدالفطر اور نہ عیدالاضحی کی نماز جائز ہے، مگر مصر جامع میں یا کسی بڑے شہر میں۔ ختم شد۔ دونوں حدیثیں ضعیف ہیں۔ حارث الاعور بہت زیادہ ضعیف ہے۔ اس کی روایت عبدالرزاق نے بھی کی ہے کہ ثوری نے زبید یامی کے واسطے سے خبر دی، انھوں نے سعد بن عبیدہ کے واسطے سے، انھوں نے ابوعبدالرحمن السلمی کے واسطے سے کہ علی رضی اللہ عنہ نے کہا : جمعہ اور تشریق صرف مصر جامع ہی میں ہے۔ ''الدرایہ'' (ص : ۱۳۱) میں کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔ بیہقی نے ''المعرفۃ'' میں کہا ہے کہ ہمیں بتایا علی بن احمد بن عبدان نے کہا کہ ہم سے شعبہ نے زبید یامی کے واسطے سے، وہ سعد بن عبادہ کے واسطے سے، وہ ابوعبدالرحمن السلمی سے کہ علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نہ تشریق ہے اور نہ جمعہ مگر مصر جامع میں۔ اسی طرح سے ثوری نے زبید کے واسطے سے موقوفاً روایت کی ہے۔ ختم شد۔ امام ابن ابی شیبہ نے تخریج کی ہے کہ ہمیں جریر نے حدیث بیان کی منصور کے واسطے سے، وہ طلحہ کے واسطے سے، وہ سعد بن عبیدہ سے، وہ ابوعبدالرحمن کے واسطے سے اور وہ علی رضی اللہ عنہ کے واسطے سے کہ نہ جمعہ ہے اور نہ تشریق، الحدیث۔ عینی نے بخاری کی شرح میں لکھا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔''

جواب اس کا یہ ہے کہ اس قول کا مرفوع ہونا ثابت نہیں۔ پس جب قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نہیں ہوا، پس یہ اثر بمقابل آیتِ قرآن وحدیث مرفوع : ((الجمعۃ حق واجب علی کل

مسلم)) کے حجت نہیں ہے۔ البتہ یہ قول حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بچند طرق مروی ہے۔ بعض سند اس کی ضعیف و بعض صحیح ہے، جیسا کہ بیان اس کا مفصلاً گزرا اور پھر بعد صحتِ سند یہ معلوم نہیں ہے کہ مصر جامع کی تفسیر کیا ہے؟ (سنن أبي داود، رقم الحديث ١٠٦٧)

اسی واسطے کہا امام شافعی نے :

''ولاندري ما حد المصر الجامع؟'' أخرجه البيهقي في المعرفة۔ (معرفة السنن والآثار ٤ ٣٢٣)

''ہمیں نہیں معلوم کہ مصر جامع کی تفسیر کیا ہے؟ اس کی تخریج بیہقی نے المعرفہ میں کی ہے۔''

اور جو کہا شیخ ابن الہمام نے فتح القدیر میں :

''وكفى بعلي قدوة وإماما'' (فتح القدير ٢ ٥١)

''علی رضی اللہ عنہ کا قدوہ اور امام کے طور پر ہونا کافی ہے۔''

وہ قابل تسلیم نہیں ہے۔ لأنه للاجتهاد فيه مسرح فلا ينهض للاحتجاج به۔

''کیونکہ اس میں اجتہاد کی گنجایش ہے، اس لیے اس کو حجت نہیں بنایا جاسکتا۔''

اور تعجب سخت و مقام حیرت ہے کہ ائمہ احناف کی تمامی کتبِ اصول مالامال ہے اس بات سے کہ خبر آحاد سے تخصیص نص قرآن شریف کی نہیں ہوتی ہے اور زیادتی قرآن پر خبر آحاد سے جائز نہیں، جیسا کہ تلویح میں ہے :

''وإنما يرد خبر الواحد في معارضة الكتاب لأن الكتاب مقدم لكونه قطعياً متواتر النظم، لاشبهة في متنه ولا سنده۔'' انتهى (شرح التلويح على التوضيح ٢ ١٧)

''قرآن سے معارضے کی صورت میں خبر واحد کو رد کردیا جائے گا، کیونکہ قرآن مقدم ہے اس لیے کہ وہ قطعی اور متواتر النظم ہے۔ اس کے متن میں شبہہ ہے اور نہ اس کی سند میں۔ ختم شد۔''

اور بھی تلویح میں ہے :

''لا يجوز تخصيص الكتاب بخبر الواحد، لأن خبر الواحد دون الكتاب، لأنه ظني، والكتاب قطعي، فلا يجوز تخصيصه لأن التخصيص تفسير، وتفسير الشيء لايكون إلا بما يساويه أو يكون فوقه۔'' انتهى (مصدر سابق ٢ ٣٩)

''خبر واحد سے قرآن کی تخصیص جائز نہیں ہے، کیونکہ خبر واحد قرآن سے کم تر ہے اور اس لیے بھی کہ وہ ظنی ہے اور قرآن قطعی، تو اس کی تخصیص جائز نہیں ہے، کیونکہ تخصیص تفسیر ہوتی ہے اور کسی چیز کی تفسیر اس کے مساوی یا اس سے اوپر کے درجے کی چیز ہی سے ہوسکتی ہے۔ ختم شد۔''

اور اصول الشاشی میں ہے :

''شرط العمل بخبر الواحد أن لايكون مخالفاً للكتاب والسنة المشهورة۔'' انتهى (أصول الشاشي ص : ١٧٦)

''خبر واحد پر عمل کی شرط یہ ہے کہ وہ کتاب اللہ اور سنت مشہورہ کے مخالف نہ ہو۔ ختم شد''

اور نور الانوار میں ہے :

''ونسخ وصف فی الحکم بأن یفسخ عمومہ واطلاقہ ، و یبقیٰ أصلہ ، وذلک مثل الزیادۃ علی النص فإنھا نسخ عندنا ، ولایجوز عندنا إلا بالخبر المتواتر والمشھور۔'' انتھی

''حکم میں کسی وصف کا نسخ اس طور سے ہو کہ اس کے عموم اور اطلاق دونوں کو منسوخ کردے اور اس کی اصل باقی رہے ۔ یہ نص پر زیادتی کے مثل ہے جو ہمارے نزدیک نسخ ہے اور یہ ہمارے نزدیک خبر متواتر اور مشہور کے بغیر جائز نہیں ہے ۔ ختم شد۔''

چنانچہ بنا بر اسی اصول مقررہ کے کتنی احادیث صحیحہ مرفوعہ رد کی گئی ہیں ؟ اور پھر باوجود اس شدت کے یہ ایک اثر جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرقوفاً مروی ہے اور خبر مرفوع آحاد کے درجہ میں بھی نہیں ہے ، اس سے نص قرآن پر زیادتی اور اس کی تخصیص کی جاتی ہے اور اس کے حکم عام کا یہ اثر ناسخ ٹھہرایا جاتا ہے ۔ یعنی نص قرآن میں حکم مطلق ہے واسطے صلوۃ جمعہ کے شہر و قصبات و دیہات ہر جگہوں میں ۔ پھر اس حکم مطلق پر یہ زیادتی کرنا کہ دیہات میں صلوۃ جمعہ جائز نہیں اور عموم حکم قرآن کا ناسخ ٹھہرانا ، بالکل مخالف ہے ان کے اس اصول مقررہ کے ۔ وعلی کل حال یہ اثر موقوف قابل احتجاج نہیں ، کیونکہ اثر موقوف کو قوت معارضہ خبر مرفوع کے نہیں ۔ اور علاوہ اس کے دوسرے اجلائے صحابہ رضی اللہ عنھم سے مثل حضرت عمر و عثمان و ابن عمر و ابوہریرہ رضی اللہ عنھم کے خلاف اس اثر کے ثابت ہے ۔ یعنی ان صحابہ رضی اللہ عنھم نے دیہات میں جمعہ پڑھنے کی اجازت دی ہے اور ان کے زمانہ میں گاؤں میں جمعہ پڑھا گیا ہے ، جیسا کہ صحیح ابن خزیمہ میں مروی ہے اور بیہقی نے کتاب المعرفہ میں صحیح ابن خزیمہ سے نقل کیا ہے ۔

قال البیھقی : ''روی محمد بن إسحاق بن خزیمۃ عن علی بن خشرم عن عیسی بن یونس عن شعبۃ عن عطاء بن أبي میمونۃ عن أبي رافع أن أبا ھریرۃ کتب إلی عمر یسألہ عن الجمعۃ ، وھو بالبحرین ، فکتب إلیھم أن جمعوا حیث ما کنتم ۔ قال البیھقی : معناہ أي قریۃ کنتم فیھا ، لأن مقامھم من البحرین إنما کان في القری ۔ قال أحمد (یعنی البیھقی) : وھذا الأثر إسنادہ حسن ۔'' انتھی (معرفۃ السنن والآثار ۴ ۳۲۳)

''بیہقی نے کہا کہ محمد بن اسحاق بن خزیمہ نے علی بن خشرم کے واسطے سے روایت کی ، انھوں نے عیسیٰ بن یونس کے واسطے سے ، انھوں نے شعبہ کے واسطے سے ، انھوں نے عطا بن ابو میمونہ کے واسطے سے اور وہ ابو رافع کے واسطے سے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ سے جمعہ کے بارے میں لکھ کر دریافت کیا ، جبکہ وہ بحرین میں تھے ، تو انھوں نے ان کو جواب دیا کہ جہاں بھی آپ لوگ ہیں جمعہ قائم کریں ۔ بیہقی نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم جس گاؤں یا قریہ میں بھی ہو ۔ کیونکہ وہ لوگ بحرین کے مقام پر گاؤں میں تھے ۔ بیہقی نے کہا ہے کہ اس اثر کی سند حسن ہے ۔ ختم شد۔''

اور بھی کتاب المعرفہ میں ہے :

''وحکی اللیث بن سعد أن أھل الأسکندریۃ ومدائن مصر سواحلھا کانوا یجمعون الجمعۃ علی عھد عمر بن الخطاب وعثمان بن عفان بأمرھما وفیھا رجال من الصحابۃ ۔'' انتھی (معرفۃ السنن والآثار ۴ ۳۲۲)

''لیث نے بیان کیا ہے کہ اہل اسکندریہ ، مدائن مصر اور اس کے ساحلی علاقے کے لوگ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان کے حکم سے جمعہ قائم کرتے تھے اور وہاں بہت سے صحابہ موجود تھے ۔ ختم شد۔''

اور ''فتح الباري شرح صحیح البخاري'' میں ہے :

''وعن عمر أنہ کتب إلی أھل البحرین أن جمعوا حیث ما کنتم ، وھذا یشمل المدن والقری ، أخرجہ ابن أبي شیبۃ من طریق أبي رافع عن أبي ھریرۃ عن عمر ، وصححہ ابن خزیمۃ ، وروی البیھقی من طریق الولید بن مسلم : سألت اللیث بن سعد فقال : کل مدینۃ أو قریۃ فیھا جماعۃ أمروا بالجمعۃ ، فإن أھل مصر و سواحلھا کانوا یجمعون علی عھد عمر و عثمان بأمرھما ، وفیھا رجال من الصحابۃ ، وعند عبدالرزاق بإسناد صحیح عن ابن عمر أنہ کان یری أھل المیاہ بین مکۃ والمدینۃ یجمعون فلا یعیب علیھم ، فلما اختلف الصحابۃ وجب الرجوع إلی المرفوع ۔'' انتھی کلام الحافظ (فتح الباري ۲ ۳۸۰)

''عمر رضی اللہ عنہ نے اہل بحرین کو لکھا کہ وہ جمعہ قائم کریں جہاں کہیں بھی ہیں۔ یہ حکم شہر اور گاؤں دونوں کو شامل ہے۔ اس کی تخریج ابن ابی شیبہ نے ابو رافع کے طریق سے، انھوں نے ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے اور وہ عمر رضی اللہ عنہ کے واسطے سے کرتے ہیں۔ ابن خزیمہ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ بیہقی نے ولید بن مسلم کے طریق سے روایت کی ہے کہ میں نے لیث بن سعد سے پوچھا تو انھوں نے کہا کہ ہر شہر اور گاؤں جہاں لوگوں کی جماعت ہو، وہاں جمعہ قائم کرنے کا حکم دیا جائے گا، کیونکہ اہل مصر اور اس کے ساحلی علاقے کے لوگ عمر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ کے حکم پر ان کے زمانوں میں جمعہ قائم کرتے تھے اور وہاں بہت سارے صحابہ بھی موجود تھے۔ مصنف عبدالرزاق میں صحیح سند کے ساتھ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے واسطے سے روایت ہے کہ وہ مکہ اور مدینہ کے درمیان مختلف بستیوں والوں کو دیکھتے تھے کہ وہ جمعہ قائم کرتے ہیں، تو وہ ان کو منع نہیں کرتے تھے۔ جب صحابہ میں اختلاف ہو جائے تو مرفوع حدیث کی جانب رجوع واجب ہو جاتا ہے۔ حافظ کا کلام ختم ہوا۔''

اور ''تلخیص الجبیر'' میں ہے:

''قال ابن المنذر في الأوسط: روينا عن ابن عمر أنه كان يرى أهل المياه بين مكة والمدينة يجمعون، ولا يعيب ذلك عليهم، ثم ساقه موصولا، وروى سعيد بن منصور عن أبي هريرة أن عمر كتب إليهم أن جمعوا حيث ما كنتم۔'' انتهى (التلخيص الجبير ٢ ٥٤)

''ابن المنذر نے ''الاوسط'' میں کہا ہے کہ ہم نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کے واسطے سے روایت کیا ہے کہ وہ مکہ اور مدینہ کے درمیان اہل میاہ کو دیکھا کرتے تھے کہ وہ جمعہ قائم کرتے ہیں تو وہ ان کے اس عمل پر کوئی عیب چینی نہیں کرتا تھا۔ پھر اس حدیث کو موصولاً بیان کیا ہے۔ سعید بن منصور نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے روایت بیان کی ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے پاس لکھ بھیجا کہ جمعہ قائم کرو، جہاں کہیں بھی تم لوگ ہو۔ ختم شد۔''

پس یہ آثار حضرت عمر و عثمان و ابن عمر و ابوہریرہ رضی اللہ عنہم کے مطابق حکم مطلق قرآن و حدیث مرفوع کے ہیں۔ تو اب اسی پر عمل واجب و لازم ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الأحزاب: ٢١)

''یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ میں عمدہ نمونہ (موجود) ہے۔''

وقال: مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ (النساء: ٨٠)

''اس رسول (ﷺ) کی جو اطاعت کرے، اسی نے اللہ کی فرمانبرداری کی۔''

اور علاوہ اس کے ائمہ احناف رحمہم اللہ نے مصر جامع کی بنا پر مسلک کرخی کے جو تفسیر کی ہے کہ وہ شہر ایسا ہو جہاں حاکم و قاضی رہتا ہو اور اس کے سبب سے اقامت حدود وغیرہ جاری ہو۔

جیسا کہ ہدایہ میں ہے:

''والمصر الجامع: كل موضع له أمير وقاض ينفذ الأحكام، ويقيم الحدود، وهذا عند أبي يوسف، وعنه أنهم إذا اجتمعوا في أكبر مساجدهم لم يسعهم، والأول اختيار الكرخي، وهو الظاهر، والثاني اختيار البلخي۔'' (الهداية ص: ٨٢)

''مصر جامع وہ جگہ ہے، جہاں ایک امیر اور ایک قاضی ہو، جو احکام نافذ کرتا اور حدود قائم کرتا ہو۔ یہ ابو یوسف کے نزدیک ہے اور انھی سے یہ بھی منقول ہے کہ جب لوگ اپنی بڑی مسجد میں جمع ہو جائیں جو ان کو کافی نہ ہو۔ پہلا کرخی کا اختیار ہے اور وہی ظاہر ہے اور دوسرا البلخی کا اختیار ہے۔''

اور بعضوں نے یوں تفسیر کی کہ وہ ایسا شہر ہو کہ جہاں بازار میں دوکانیں ہوں اور حاکم بھی رہتا ہو، کہ جس سے انصاف درمیان ظالم و مظلوم ہوتا ہو، جیسا کہ فتح القدیر میں ہے:

''بلدة فيها سكك وأسواق ووال، ينتصف المظلوم من الظالم، وعالم يرجع إليه في الحوادث۔'' (فتح القدیر ۲ ۵۲)

''ایسا شہر جس میں گلیاں اور بازار ہوں اور ایسا والی ہو جو مظلوم کو ظالم سے انصاف دلاسکے اور ایک ایسا علم ہو جس کی طرف مسائل و حوادث کے وقت رجوع کیا جاسکے۔''

توان دونوں تفسیر کے جو بنا ربر مسلک کرخی کے ہے، اس کی کچھ اصلیت کتاب و سنت سے معلوم نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ منقول نہیں کہ صحابہ وتابعین نے زمانہ امارت یزید بن معاویہ میں نماز جمعہ ترک کیا ہو۔ باوجود اس کے کہ ظلم یزید بن معاویہ کا اظہر من الشمس تھا اور ہزاروں خون ناحق اس نے کیے اور پھر انصاف ظالم و مظلوم سے اس کو کیا علاقہ؟ بلکہ بعد وفات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے امارۃ بنی امیہ میں حدود میں نہایت سستی ہوگئی اور انصاف ظالم و مظلوم کا بالکل مفقود ہوگیا۔ ہاں البتہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی خلافت اور بعض عباسیہ کی امارت میں اقامت حدود وغیرہ تھی۔ پھر اس کے ساتھ بھی کہیں یہ منقول نہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ و تبع تابعین نے نماز جمعہ ترک کیا ہو، ورنہ ترک کرنا ان لوگوں کا ضرور منقول ہوتا۔ (یہ بات مولانا رحمہ اللہ نے یزید کے متعلق عام شہرت کی بنا پر کی ہے، بغرض الزام، نہ کہ بر بنائے تحقیق۔ فتدبر)۔ [ع، ح]

دیکھو! مولانا عبدالعلی رحمہ اللہ (بحر العلوم) لکھنوی نے ''ارکان اربعہ'' میں لکھا ہے:

''اختلف الروايات في مذهبنا، ففي ظاهر الروايات: بلدة بها إمام وقاض، يصلح لإقامة الحدود، وفي القدير: بلدة فيها سكك وأسواق ووال ينتصف المظلوم من الظالم، وعالم يرجع إليه في الحوادث، وهذا أخص، وحملوا قول أمير المؤمنين علي رضي الله عنه ما رواه عبدالرزاق: لاتشريف ولاجمعة إلافي مصر جامع۔ على أحد هذين الروايتين، فإن المصر الجامع لايكون إلا ما هذا شأنه، وعلى التفسير الأول المصر الذي واليه كافر، لاتجب فيه الجمعة، وعلى التفسير الثاني لاتجب في المصر الذي واليه ظالم، لاينتصف المظلوم من الظالم، ويرد هذين الروايتين أن الصحابة والتابعين لم يتركوا الجمعة في زمان يزيد مع أنه لاشبهة في أنه كان من أشد الناس ظلما، لأنه هتك حرمة أهل البيت، وبقي مصرا عليه، ولم يمر عليه وقت إلا كان هو بصدد الظلم من إباحة دماء الصحابة الأخيار، وأما انتصاف المظلوم من الظالم فبعيد منه كل البعد، فافهم، وإن شرط إقامة الحدود وانتصاف المظلوم من الظالم ينفي وجوب الجمعة مع أنها من شعائر الإسلام، ونحن نقول: قد وقع التهاون في إقامة الحدود وانتصاف المظلوم من الظالم في إارة بني أمية بعد وفاة معاوية إلافي زمان عمر بن عبدالعزيز، وفي إمارة بعض العباسية، ولم يترك الجمعة أحد من الصحابة والتابعين ومن تبعهم فعلم أنهما ليس بشرطين۔'' انتهى

''ہمارے مذہب میں روایات مختلف ہیں۔ ظاہر الروایۃ سے پتا چلتا ہے کہ (مصر جامع) ایک ایسا شہر قصبہ جس کا ایک امام اور ایک قاضی ہو جو حدود قائم کرتا ہو۔ ''فتح القدیر'' میں ہے کہ بلدۃ وہ ہے جس میں گلیاں اور بازار ہوں اور ایک والی ہو جس سے مظلوم کو ظالم سے انصاف ملے اور ایک عالم ہو جس کی طرف حوادث کے وقت رجوع کیا جاتا ہو۔ یہ تعریف زیادہ مخصوص ہے۔ ان لوگوں نے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول ''جمعہ اور تشریق صرف مصر جامع میں ہے'' کو محمول کیا ہے ان دونوں روایتوں میں سے ایک روایت پر، کیوں کہ مصر جامع کی تعریف مکمل نہیں ہوتی ہے مگر ان خصوصیات کے ساتھ۔ پہلی تفسیر کے مطابق مصر وہ ہے جس کا والی کافر ہو، اس میں جمعہ واجب نہیں ہے اور دوسری تفسیر کے مطابق اس شہر میں جمعہ واجب نہیں ہے جس کا والی ظالم ہو اور ظالم سے مظلوم کو انصاف نہ ملتا ہو۔ یہ دونوں روایات رد کردی جائیں گی، کیونکہ صحابہ وتابعین نے یزید کے زمانے میں جمعہ ترک نہیں کیا، اس کے باوجود کہ اس امر میں کوئی شک نہیں کہ وہ بہت بڑا ظالم تھا، جس نے اہل بیت کی حرمت کو تار تار کیا اور وہ اپنی ان حرکتوں پر مصر رہا اور کوئی وقت ایسا نہیں گزرا جبکہ اس نے اپنے بے پناہ مظالم کے ذریعے صحابہ کا خون نہ بہایا ہو۔ رہا معاملہ ظالم سے مظلوم کی دادرسی کا تو اس سے اس کی دور دور تک امید نہیں۔ تو یہ بات جان لو کہ اقامتِ حدود کی شرط اور ظالم سے مظلوم کی دادرسی کی شرط وجوبِ جمعہ کے منافی ہے، حالانکہ جمعہ شعائر اسلام میں سے ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اقامتِ حدود اور مظلوم کی دادرسی کے معاملے میں بنوامیہ کے دور میں بڑی سستی آگئی تھی، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد سوائے عمر بن عبدالعزیز کے زمانے میں اور بعض عباسی خلفا کے عہد امارت میں، ان حالات میں صحابہ وتابعین اور ان کے بعد کے لوگوں میں سے کسی نے بھی جمعہ ترک نہیں کیا۔ پس یہ بات معلوم ہوئی کہ یہ دونوں شرطیں نہیں ہیں۔ ختم شد۔''

اور علاوہ اس کے اسعد بن زرارہ نے قبل قدوم رسول اللہ ﷺ کے نماز جمعہ جو ہزم النبیت میں ہمراہ جماعت صحابہ ادا کیا اور پھر رسول اللہ ﷺ نے وقت قدوم مدینہ منورہ بعد خروج از قبا کے صلوۃ جمعہ کو جو بنی سالم میں ادا فرمایا، یہ دونوں واقعے مبطل اس مسلک کرخی کے ہیں، کیونکہ مدینہ منورہ قبل از قدوم اور بھی ابتداء زمانہ قدوم رسول اللہ ﷺ میں دار اقامت حدود و تنفیذ احکام مطابق مسلک کرخی کے ہرگز نہیں تھا۔ جیسا کہ کتب احادیث و سیر سے واضح و ظاہر ہے اور تفصیل اس امر کی کتاب ''النور اللامع في أخبار صلوۃ الجمعة عن النبي الشافع'' میں ان شاء اللہ تعالیٰ لکھی جائے گی۔ وفقني الله تعالى لإتمامه كما وفقني لابتدائه، وما ذلك على الله بعزيز۔

اور منجملہ شرائط صحتِ جمعہ نزدیک ائمہ احناف کے اذنِ سلطان بھی ہے اور اس کی بھی کوئی اصلیت نہیں معلوم ہوتی ہے ، بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ فتنہ میں چالیس دن محصور رہے اور وہ یقینا امام حق تھے ۔ بایں ہمہ حضرت علی و طلحہ و ایوب و سہل بن حنیف و ابوامامہ رضی اللہ عنہم و غیر ہم نماز عیدین و غیرہ پڑھاتے رہے اور اذن طلب کرنا ان لوگوں کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے منقول نہیں ۔

جیسا کہ موطا امام مالک میں ہے :

''مالک عن ابن شهاب عن أبي عبيد مولى بن أزهر قال : شهدت العيد مع علي بن أبي طالب ، وعثمان محصور ، فجاء فصلى ، ثم انصرف فخطب ۔ '' انتهى (موطا الإمام مالک ١ ١٧٨)

وهكذا أخرجه الشافعي وابن حبان ، وقال الرافعي في شرح الوجيز : '' روي أن عليا أقام الجمعة ، وعثمان محصور ۔ '' (مسند الشافعي ص : ٦١ ، صحيح ابن حبان ٨ ٣٦٤) ، (فتح العزيز شرح الوجيز ٤ ٥٣٧)

قال الحافظ ابن حجر في التلخيص : '' وكأن الرافعي أخذه بالقياس لأن من أقام العيد لا يبعد أن يقيم الجمعة فقد ذكر سيف في الفتوح أن مدة الحصار كانت أربعين يوما لكن قال : كان يصلي بهم تارة طلحة ، وتارة عبد الرحمن بن عديس ، وتارة غيرهما ۔ '' انتهى (التلخيص الحبير ٢ ٥٨)

''مالک ، شہاب کے واسطے سے ، وہ ابو عبید مولی بن ازہر کے واسطے سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا کہ میں نے عید کی نماز علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ پڑھی اور عثمان رضی اللہ عنہ محصور تھے ، وہ آئے اور انھوں نے نماز پڑھی پھر پلٹے اور خطبہ دیا ۔ ختم شد ۔ اس کی تخریج شافعی اور ابن حبان نے کی ہے اور رافعی نے شرح الوجیز میں کہا ہے کہ روایت بیان کی گئی ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے جمعہ قائم کیا دراں حالیکہ عثمان رضی اللہ عنہ محصور تھے ۔ حافظ ابن حجر نے تلخیص میں کہا ہے کہ رافعی نے اس کو قیاس سے اخذ کیا ہے ، کیونکہ جو عید کی نماز قائم کرتا ہے ، وہ جمعہ کی نماز بھی قائم کر سکتا ہے ۔ سیف نے الفتوح میں ذکر کیا ہے کہ حصار کی مدت چالیس دن تھی ، لیکن انھوں نے کہا کہ ان لوگوں کو کبھی طلحہ نماز پڑھاتے اور کبھی عبد الرحمان بن عدیس اور کبھی ان کے علاوہ کوئی اور ۔ ختم شد ۔ ''

اور زرقانی شرح موطا میں ہے :

''قال أبو عمر : إذا كان من السنة أن تقام صلوة العيد بلا إمام فالجمعة أولى ، وبه قال مالك والشافعي ، قال مالك : لله في أرضه فرائض لا يسقطها موت الوالي ، ومنع ذلك أبو حنيفة كالحدود ، لا يقيمها إلا السلطان ، وقد صلى بالناس في حصر عثمان طلحة وأبو أيوب وسهل بن حنيف وأبو أمامة بن سهل وغيرهم ، وصلى بهم علي صلوة العيد فقط ۔ '' انتهى (شرح الزرقاني على الموطا ١ ٥١٥)

''ابو عمر نے کہا کہ جب یہ سنت ہے کہ نماز عید قائم کی جائے گی امام کے بغیر تو جمعہ اس حکم کا زیادہ مستحق ہے اور یہی بات مالک اور شافعی نے کہی ہے ۔ مالک نے کہا کہ اللہ تعالی کی اس زمین پر اللہ کے لیے (بندوں پر) کچھ فرائض ہیں ، جسے والی کی موت ساقط نہیں کر سکتی ۔ لیکن ابو حنیفہ نے اس سے انکار کیا ہے ، جیسے حدود ہیں کہ اس کی اقامت سلطان ہی کر سکتا ہے ، حالانکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ حصر میں لوگوں کو نماز پڑھائی طلحہ نے ، ابو ایوب نے ، سہل بن حنیف نے اور ابو امامہ بن سہل و غیر ہم نے ، اور حضرت علی نے ان کو عید کی نماز بھی پڑھائی ۔ ختم شد ۔ ''

اور کہا شیخ سلام اللہ رحمہ اللہ نے ''محلی شرح موطا'' میں :

''وقال أبو عبيد : ثم شهدت العيد أي الأضحى مع علي بن أبي طالب ، وعثمان محصور في داره أيام الفتنة ، وروي أنه يوم الناس أيضا في أيام المحاصرة كنانة من رؤوس البغاة ، وقد يؤمهم طلحة ، وأحيانا سهل بن حنيف ۔ '' انتهى

''ابو عبید نے کہا کہ پھر میں نے علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ عید الاضحی کی نماز پڑھی ، درآں حالیکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فتنے کے زمانے میں اپنے گھر میں محصور تھے ۔ روایت بیان کی جاتی ہے کہ محاصرے کے ایام میں باغیوں کا سردار کنانہ لوگوں کی امامت کرتے تھے ۔ اور بسا اوقات طلحہ امامت کرتے اور کبھی کبھی سہل بن حنیف ۔ ختم شد ۔ ''

اور ''ارکان اربعہ'' میں ہے :

''ومنها السلطان أو أمره بإقامة الجمعة عند الحنفية خاصة لا عند الشافعية، فإنهم يقولون : إذا اجتمع مسلمو بلدة، وقدموا إماما، وصلوا الجمعة خلفه جازت الجمعة، والمأمور من قبل السلطان أفضل، ولم أطلع على دليل يفيد اشتراط أمر السلطان، وما في الهداية لأنها تقام بجماعة. فعسى أن تقع المنازعة. فهذا رأي لا يثبت الاشتراط لإطلاق نصوص وجوب الجمعة، ثم هذه المنازعة تندفع بإجماع المسلمين على تقديم واحد كما أن رتبة السلطان يطلبها كل أحد من الناس فعسى أن تقع المنازعة فلا يصلح نصب السلطان لكن تندفع هذه المنازعة بإجماع المسلمين على تقديم واحد فكذا هذا، وكما في جماعة الصلوة عسى أن تقع المنازعة في تقديم رجل لكن تندفع بإجماع المصلين فكذا في الجمعة ثم الصحابة أقاموا الجمعة في زمان فتنة بلوى أمير المؤمنين عثمان، وكان هو إماما حقا محصورا، ولم يعلم أنهم طلبوا الإذن في إقامة الجمعة، بل الظاهر عدم الإذن لأن هؤلاء الأشقياء من أصحاب الشر لم يرخصوا ذلك فعلم أن إقامة الجمعة غير مشروطة عندهم بالإذن.'' انتهى

''ان شرائط میں سے سلطان ہے یا اس کا اقامتِ جمعہ کا حکم دینا، احناف کے نزدیک خاص طور سے، شافعی حضرات کے نزدیک نہیں، کیونکہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ جب کسی شہر کے مسلمان مجتمع ہو جائیں اور کسی کو امامت کے لیے آگے بڑھا دیں اور اس کے پیچھے جمعہ کی نماز پڑھ لیں تو جمعہ جائز ہے۔ اگر سلطان کی جانب سے کوئی اقامتِ جمعہ کے لیے مامور ہو تو یہ افضل ہے۔ میں کسی ایسی دلیل سے واقف نہیں جو سلطان کے حکم کی شرط کا فائدہ دیتی ہو۔ یہ جو ''الہدایہ'' میں ہے کہ جمعہ کی نماز جماعت سے قائم کی جاتی ہے تو اس بات کا امکان ہے کہ جھگڑا واقع ہو جائے۔ تو اس سے شرط ثابت نہیں ہوتی، کیونکہ وجوبِ جمعہ کے سلسلے میں مطلق نصوص ہیں۔ پھر یہ نزاع مسلمانوں کے اجماع سے کسی ایک کو آگے بڑھا دینے کی صورت میں ختم ہو جائے گا، کیونکہ سلطان کا رتبہ بھی ایسا ہے کہ ہر ایک اس کا مطالبہ کرتا ہے، اس میں امکان ہے کہ نزاع واقع ہو جائے تو سلطان کا مقرر کرنا بھی درست نہ ہوا، لیکن یہ نزاع کسی ایک کو آگے بڑھا دینے کی صورت میں تمام مسلمانوں کے اجماع سے ختم ہوتا ہے، جیسا کہ دیگر نمازوں کی جماعت میں ہوتا ہے کہ کسی شخص کے آگے بڑھا دینے کی صورت میں نزاع پیدا ہو جاتا ہے، لیکن نمازیوں کے اجماع سے ختم بھی ہو جاتا ہے، ایسا ہی جمعہ کے معاملے میں ہے۔ پھر یہ کہ صحابہ نے امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فتنے کے زمانے میں جمعہ قائم فرمایا، دراں حالیکہ وہ امام حق محصور تھے اور یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ لوگوں نے ان سے اقامتِ جمعہ کے لیے اجازت طلب کی ہو، بلکہ عدم اذن ظاہر ہے، کیونکہ اصحابِ شر اور بدبختوں نے ان کو اس کا موقع ہی نہیں دیا۔ پس معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک اقامتِ جمعہ کے لیے اذنِ سلطان غیر مشروط ہے۔ ختم شد۔''

اور ائمہ احناف اوپر اشتراط سلطان کے جو یہ روایت ابن ماجہ کی پیش کرتے ہیں :

''حدثنا محمد بن عبد اللہ بن نمیر حدثنا الولید بن بکیر حدثني عبد اللہ بن محمد العدوي عن علي بن زید عن سعید بن المسیب عن جابر بن عبد اللہ قال : خطبنا رسول اللہ ﷺ فقال : اعلموا أن اللہ قد افترض علیکم الجمعة في مقامي هذا، في یومي هذا، في شهري هذا، من عامي هذا إلی یوم القیامة فمن ترکها في حیاتي أو بعدي وله إمام عادل أو جائر'' الحدیث (سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث ۱۰۸۱)

''ہمیں حدیث بیان کی محمد بن عبد اللہ بن نمیر نے، انھوں نے کہا کہ ہمیں الولید بن بکیر نے بتایا، انھوں نے کہا کہ مجھے عبد اللہ بن محمد العدوی نے علی بن زید کے واسطے سے بتایا، وہ سعید بن مسیب کے واسطے سے اور وہ جابر بن عبد اللہ کے واسطے سے کہ انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطاب کیا اور فرمایا کہ جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر جمعہ فرض کیا ہے اس جگہ، آج کے دن، میرے اس مہینے میں، اس سال، قیامت تک کے لیے، پس جس کسی نے میری زندگی میں یا میرے بعد دراں حالیکہ وہاں اس کے لیے امام عادل یا جائر موجود ہو، اسے چھوڑا... الحدیث۔''

سو یہ قابل استدلال نہیں۔ اس لیے کہ یہ حدیث بہت ہی ضعیف ہے۔ قابل حجت نہیں۔ ایک راوی اس میں عبد اللہ بن محمد العدوی ہے۔ وہ متروک الحدیث ہے اور بعضوں نے واضعین سے اس کو شمار کیا ہے اور بعضوں نے منکر الحدیث کہا ہے۔ میزان الاعتدال میں ہے :

''عبد اللہ بن محمد العدوي، قال البخاري : منکر الحدیث، وقال وکیع : یضع الحدیث، وقال ابن حبان : لا یجوز الاحتجاج بخبره۔'' انتهی (میزان الاعتدال ۲ ۴۸۵)

''عبد اللہ بن محمد العدوی کے بارے میں بخاری نے کہا ہے کہ وہ منکر الحدیث ہے۔ وکیع نے کہا کہ وہ حدیث وضع کرتا ہے اور ابن حبان نے کہا کہ اس کی خبر سے حجت قائم کرنا جائز نہیں ہے۔ ختم شد۔''

اور بھی میزان میں بذیل ترجمہ ابان بن جبلہ مرقوم ہے :

''نقل ابن القطان أن البخاري قال : كل من قلت فيه : منكر الحديث ۔ فلا تحل الرواية عنه ۔'' (ميزان الاعتدال ۱ ٦)

''ابن القطان نے نقل کیا ہے کہ بخاری نے کہا کہ ہر وہ شخص جس کو میں نے منکر الحدیث کہا ہے، اس سے روایت کرنا حلال نہیں ہے ۔''

اور بھی کہا ذہبی نے بذیل ترجمہ سلیمان بن داود الیمامی کے :

''إن البخاري قال : من قلت فيه : منكر الحديث ۔ فلا تحل رواية حديثه ۔'' انتهى (ميزان الاعتدال ۲ ۲۰۲)

''بخاری نے کہا کہ جس کے بارے میں، میں نے منکر الحدیث کہا، اس سے کسی حدیث کی روایت جائز نہیں ہے ۔ ختم شد۔''

اور ''تقریب التہذیب''میں ہے :

''عبدالله بن محمد العدوي متروك، رماه وكيع بالوضع ۔'' انتهى (تقريب التهذيب ص : ۳۲۲)

''عبداللہ بن محمد العدوی متروک ہے ۔ وکیع نے اس پر وضع حدیث کا الزام لگایا ہے ۔ ختم شد۔''

اور علی بن زید بن جدعان، جو شیخ عبداللہ بن محمد العدوی کا ہے، وہ بھی ضعیف ہے ۔

قال المنذري في الترغيب والترهيب : ''علي بن زيد بن جدعان ۔ قال البخاري وأبو حاتم : لا يحتج به، وضعفه ابن عيينة وأحمد وغيرهما، وروي عنه : ليس بشيء، وروي عنه : ليس بذاك القوي، وقال أحمد العجلي : كان يتشيع وليس بالقوي، وقال الدارقطني : لا يزال عندي فيه لين، وقال الترمذي : صدوق و صحح له حديثا في السلام، وحسن له غير ما حديث ۔'' انتهى

''المنذری نے ''الترغیب والترھیب''میں کہا ہے علی بن زید بن جدعان کے بارے میں بخاری اور ابو حاتم نے کہا ہے کہ اس سے حجت نہیں قائم کی جاسکتی ۔ ابن عیینہ اور احمد وغیرہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے، نیز یہ کہ وہ چنداں قابل اعتبار اور قوی نہیں ۔ احمد عجلی نے کہا ہے کہ وہ شیعہ تھے اور قوی نہیں تھے ۔ دار قطنی نے کہا کہ میرے یہاں وہ کمزور ہے اور ترمذی نے صدوق کہا ہے اور ان کی ایک حدیث کو صحیح اور کئی ایک حدیث کو حسن قرار دیا ہے ۔ ختم شد۔''

اور کہا ذہبی نے میزان میں :

''قال حماد بن زيد : أخبرنا علي بن زيد، وكان يقلب الأحاديث، وقال الفلاس : كان يحيى القطان يتقي الحديث عن علي بن زيد، [وروي عن يزيد بن زريع قال : كان علي بن زيد رافضيا، وقال أحمد العجلي : كان يتشيع وليس بالقوي، وقال البخاري وأبو حاتم : لا يحتج به، قال الفسوي : اختلط في كبره، وقال ابن خزيمة : لا أحتج به لسوء حفظه ۔'' انتهى (ميزان الاعتدال ۳ ۱۲۷)

''حماد بن زید نے کہا کہ ہمیں علی بن زید نے بتایا اور وہ حدیث میں ہیر پھیر کرتے تھے ۔ فلاس نے کہا کہ یحییٰ قطان، علی بن زید کی حدیث سے بچتے تھے اور یزید بن زریع نے کہا کہ وہ رافضی تھے اور احمد عجلی نے کہا کہ وہ تشیع کرتے تھے اور قوی نہیں تھے ۔ بخاری اور ابو حاتم نے کہا کہ اس سے حجت نہیں قائم کی جاسکتی ۔ فسوی نے کہا کہ ان کے بڑھاپے میں انھیں اختلاط واقع ہوگیا تھا اور ابن خزیمہ نے کہا کہ ان کے برے حافظے کی بنا پر میں ان کو حجت نہیں بناتا ۔ ختم شد۔''

اور خلاصہ میں ہے :

''قال أحمد وأبو زرعة : ليس بالقوي، وقال ابن خزيمة : سيء الحفظ، وقال شعبة : حدثنا علي بن زيد قبل أن يختلط، وقرنه مسلم بآخر۔ '' انتهى (الخلاصة للخزرجي ص : ۲۷۴)

''احمد اور ابوزرعہ نے کہا کہ وہ قوی نہیں ہے ۔ ابن خزیمہ نے کہا کہ وہ حافظے کے برے ہیں اور شعبہ نے کہا کہ ہمیں علی بن زید نے بیان کیا اختلاط سے قبل اور مسلم نے ان کو دوسرے کے ساتھ ملا کر روایت کی ہے ۔ ختم شد۔ ''

اور عبداللہ بن محمد العدوی کا شاگرد۔ أعنی ۔ الولید بن بکیر بھی کچھ ایسا قوی راوی نہیں ہے ۔ تقریب میں ہے :

''الولید بن بکیر التیمی أبو جناب الکوفی لین الحدیث ۔ '' انتہی (تقریب التہذیب ص : ۵۸۱)

''ولید بن بکیر تیمی ابو جناب کوفی ضعیف الحدیث ہیں ۔ ختم شد۔ ''

اور میزان الاعتدال میں ہے :

''الولید بن بکیر ما رأیت من وثقه غیر ابن حبان، وقال أبو حاتم : شیخ'' انتہی (میزان الاعتدال ۴ ۳۳۶)

''ولید بن بکیر کو ابن حبان کے علاوہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو ان کو ثقہ کہتا ہو اور ابو حاتم نے ان کو شیخ کہا ہے ۔ ختم شد۔ ''

بہر حال یہ حدیث لائق حجت نہیں ۔ اور دوسری تعریف مصر جامع کی بنا بر مسلک بلخی کے یہ ہے کہ جس جگہ تین مسجدیں یا زیادہ تین سے ہوں اور ایک ان میں بڑی مسجد ہو اور وہاں کے رہنے والے مکلف لوگ اس بڑی مسجد میں گنجائش نہ کر سکیں، جیسا کہ اوپر ہدایہ کی عبارت سے معلوم ہوا۔ اور اکثر حنفیہ نے اسی مسلک بلخی کو مرجح ٹھہرا کر اسی پر فتویٰ دیا ہے، جیسا کہ در مختار میں ہے :

''یشترط لصحتها سبعة أشیاء : الأول المصر، وهو ما لا یسع أكبر مساجده أهله المكلفین بها، وعلیه فتوی أكثر الفقهاء لظهور التوانی فی الأحكام ۔ '' انتہی (الدر المختار ۲ ۱۳۷)

''اس کی صحت کے لیے سات چیزوں کی شرط ہے ۔ اول : مصر ۔ یہ وہ ہے کہ اس کی سب سے بڑی مسجد اس شہر کی آبادی کے لیے کافی نہ ہوتی ہو۔ اکثر فقہا کا اسی پر فتویٰ ہے احکام میں سستی کے ظہور کی بنا پر۔ ختم شد۔ ''

اور ''بحر الرائق شرح کنز الدقائق'' میں ہے :

وعلیه فتویٰ أكثر الفقهاء ۔ قال أبو شجاع : هذا أحسن ما قیل فیه، وفی الولوالجیة : وهو صحیح ۔ '' (البحر الرائق ۲ ۱۵۲)

''اسی پر اکثر فقہا کا فتویٰ ہے ۔ ابو شجاع نے کہا ہے کہ اب تک جتنی باتیں کہی گئی ہیں، ان میں احسن یہی ہے ۔ فتاویٰ ولوالجیہ میں ہے کہ یہی صحیح ہے ۔ ''

اور شرح وقایہ میں ہے :

''وإنما اختار هذا دون التفسیر الأول لظهور التوانی فی أحكام الشرع لا سیما فی إقامة الحدود فی الأمصار ۔ '' انتہی (شرح الوقایة ۱ ۱۸۹)

''پہلی تفسیر کے بالمقابل اس کو اس لیے اختیار کیا ہے کہ احکام شرع میں سستی کا غلبہ پایا جاتا ہے خاص طور سے شہروں میں اقامتِ حدود کے سلسلے میں ۔ ختم شد۔ ''

اور '' ارکان اربعہ '' میں ہے :

قال قائل : الفتویٰ فی مذهبنا الروایة المختارة للبلخی'' انتهی

''ہمارے مذہب میں مفتی بہ قول بلخی کا ہے۔ ختم شد۔''

لیکن یہ تفسیر بھی مصر جامع کی، جو مطابق مسلک بلخی کے ہے، کتبِ لغت یا سنتِ رسول اللہ ﷺ میں پائی نہیں جاتی ہے کہ لائق حجت ہو، بلکہ جس وقت اسعد بن زرارہ نے اقامت جمعہ کی ہزم النبیت میں کیا تھا اور پھر رسول اللہ ﷺ نے بنی سالم میں جمعہ پڑھا تھا، اس وقت مدینہ منورہ میں مساجد متعدد نہ تھی سوائے دوایک کے کہ بڑی مسجد میں گنجائش و انداز آدمیوں کے لٹنے کا کیا جاتا۔ دیکھو! جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ جاتے تھے تو قبا میں، جو قرب مدینہ میں واقع ہے، بنی عمرو بن عوف کے یہاں بیس دن کے قریب آپ ﷺ نے اقامت فرمائی اور بنا بر بعض دوسری روایتوں کے چار دن مدت اقامت کی تھی۔ یعنی دوشنبہ و سہ شنبہ، چہار شنبہ، پنج شنبہ اور انھیں کے مکان میں نماز پڑھتے رہے۔ پھر مسجد قبا میں نیو ڈالی۔ اس کے بعد آپ ﷺ جمعہ کے دن روانہ ہوئے اور بنی سالم بن عوف کے یہاں اترے اور ان کی مسجد میں نماز جمعہ پڑھی کہ وہ مسجد آج تک جمعہ مسجد کر کے مشہور ہے۔ علامہ سمہودی نے ''خلاصۃ الوفاء بأخبار دار المصطفی'' میں لکھا ہے :

''الفصل الثانی فی مسجد قباء۔ فی الصحیح عن عروة فی خبر قدومه ﷺ قال : فلبث فی بنی عمرو بن عوف بضع عشرة لیلة، وأسس المسجد الذي أسس علی التقوی۔ یعنی بنی عمرو بن عوف، کما فی روایة عبد الرزاق عنه، ولابن عائذ عن ابن عباس : مکث فی بنی عمرو بن عوف ثلاث لیال، واتخذ مکانه مسجدا فکان یصلی فیه، ثم بناه بنو عمرو بن عوف، فهو الذي أسس علی التقوی۔'' انتهی (خلاصة الوفاء ص : ۱۸۴)

''صحیح میں عروہ کے واسطے سے مسجد قبا کے متعلق مروی ہے کہ آپ ﷺ کی آمد کے بارے میں انھوں نے کہا کہ آپ ﷺ بنو عمرو بن عوف کے درمیان تقریباً دس راتوں سے کچھ اوپر ٹھہرے اور اس مسجد کی بنیاد رکھی، جو تقوے پر مبنی تھی، یعنی عمرو بنو بن عوف، جیسا کہ عبد الرزاق کی روایت میں ان کے واسطے سے ہے اور ابن عائذ کی ایک روایت ابن عباس کے واسطے سے ہے کہ آپ ﷺ بنو عمرو بن عوف میں تین راتیں ٹھہرے اور وہاں پر ایک مسجد بنائی اور اس میں نماز پڑھنے لگے۔ پھر بنو عمرو بن عوف نے اس کی تکمیل کی، تو یہی وہ مسجد ہے جو تقوے کی بنیاد پر قائم کی گئی ہے۔ ختم شد۔''

اور بھی ''خلاصۃ الوفاء'' میں ہے :

''الفصل الثالث، مسجد الجمعة۔ سبق أن النبی ﷺ فی خروجه من قباء أدرکته الجمعة فی بنی سالم بن عوف فصلاها فی بطن الوادي فکانت أول جمعة صلاها بالمدینة، ولابن زبالة : فمر علی بنی سالم فصلی بهم الجمعة فی العصیب بنی سالم، وهو المسجد الذي فی بطن الوادي، وفی روایة له : فهو المسجد الذي بناه عبد الصمد، ولابن شبة عن کعب ابن عجرة أن النبی ﷺ جمع أول جمعة حین قدوم المدینة فی مسجد بنی سالم فی مسجد عاتکة، وفی روایة له : الذي یقال له مسجد عاتکة، قال المطري : والمسجد فی بطن الوادي کان صغیرا جدا۔'' انتهی (خلاصة الوفاء ص : ۱۸۴)

وقال ابن هشام فی سیرته : ''وذکر سفیان بن عیینة عن زکریا عن الشعبی قال : إن أول من بنی مسجدا عمار بن یاسر۔ قال ابن إسحاق : فأقام رسول الله ﷺ فی بیت أبی أیوب حتی بنی له مسجده ومساکنه، ثم انتقل إلی مساکنه من بیت أبی أیوب۔'' انتهی کلام ابن هشام۔ (سیرة ابن هشام ۱ ۴۹۸)

وروی یونس بن بکیر فی زیادات المغازي عن المسعودي عن الحکم ابن عتیبة قال : ''لما قدم النبی ﷺ فنزل بقباء، قال عمار بن یاسر : ما لرسول الله ﷺ بد من أن یجعل له مکانا یستظل به إذا استیقظ، ویصلی فیه فجمع حجارة فبنی مسجد قباء فهو أول مسجد بُنی یعنی بالمدینة۔'' انتهی (فتح الباري، ۲۴۵)

وقال ابن هشام أیضاً : ''أقام رسول الله ﷺ بقباء فی بنی عمرو بن عوف یوم الإثنین ویوم الثلاثاء ویوم الأربعاء ویوم الخمیس، وأسس مسجده، ثم أخرجه الله من بین أظهرهم یوم الجمعة، و بنو عمرو بن عوف یزعمون أنه مکث فیهم أکثر من ذلک، فالله أعلم أي ذلک کان، فأدرکت رسول الله ﷺ الجمعة فی بنی سالم بن عوف فصلاها فی المسجد الذي فی بطن الوادي وادي رانوناء فکانت أول جمعة صلاها بالمدینة۔'' انتهی کلامه (سیرة ابن هشام ۱ ۴۹۴)

''تیسری فصل جمعہ مسجد کے بارے میں۔ یہ بات گزر چکی ہے کہ نبی ﷺ کے قبا سے خروج کے وقت راستے میں بنو سالم بن عوف کے قبیلے میں جمعے کا وقت ہوگیا تو آپ ﷺ نے نماز جمعہ بطن وادی میں ادا کی۔ اسی کی ایک روایت میں ہے کہ وہ وہی مسجد ہے جو عبدالصمد نے بنائی تھی۔ ابن شبہ کی کعب بن عجرہ کے واسطے سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی پہلی جمعے کی نماز جب وہ مدینہ آرہے تھے، مسجد بنی سالم مسجد عاتکہ میں پڑھی تھی۔ اسی کی ایک روایت میں ہے اسی کو مسجد عاتکہ کہا جاتا تھا۔ المطری نے کہا کہ بطن وادی کی مسجد بہت زیادہ چھوٹی تھی۔ ختم شد۔''

''ابن ہشام نے اپنی ''سیرت'' میں کہا ہے: سفیان بن عیینہ سے زکریا کے واسطے سے اور وہ شعبی کے واسطے سے کہ شعبی نے کہا کہ سب سے پہلے جس نے مسجد بنائی وہ عمار بن یاسر تھے۔ ابن اسحاق نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ ابو ایوب کے گھر میں اقامت پذیر ہوئے، پھر آپ کے لیے مسجد اور گھر بنائے گئے، پھر وہاں سے اپنے گھر منتقل ہوگئے۔ ابن ہشام کا کلام ختم ہوا۔ یونس بن بکیر نے ''زیادات مغازی'' میں روایت بیان کی ہے مسعودی کے واسطے سے اور وہ حکم بن عتیبہ کے واسطے سے کہ انھوں نے کہا کہ جب نبی ﷺ آئے تو قبا میں نزول فرمایا۔ عمار بن یاسر نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے لیے ضروری ہے کہ ان کے لیے ایک مکان بنایا جائے جہاں وہ سایہ حاصل کریں، جب وہ بیدار ہوں اور اس میں نماز پڑھیں، تو انھوں نے پتھر جمع کیے اور مسجد قبا بنائی اور یہ پہلی مسجد تھی جو مدینے میں بنائی گئی۔ ختم شد۔''

''ابن ہشام نے یہ بھی کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ قبا میں بنو عمرو بن عوف کے یہاں سوموار، منگل، بدھ اور جمعرات کے دن تک اقامت پذیر رہے اور ان کی مسجد کی بنیاد رکھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو جمعے کے دن ان کے درمیان سے نکالا۔ بنو عمرو بن عوف یہ گمان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ ان کے درمیان زیادہ دنوں تک ٹھہرے، یہ اللہ ہی کو زیادہ بہتر معلوم ہے کہ آپ کتنے دن ٹھہرے۔ راستے میں بنو سالم بن عوف میں جمعے کا وقت ہوگیا تو آپ ﷺ نے جمعے کی نماز اس مسجد میں پڑھی جو بطن وادی میں وادی رانوناء میں تھی۔ تو یہ پہلا جمعہ تھا جو آپ ﷺ نے مدینے میں ادا کیا۔ ختم شد۔''

پس صلوٰۃ جمعہ کہ عمدہ شعائر اسلام سے ہے اور فرضیت اس کی نص قطعی سے ثابت ہے، ادا کرنا اس کا شہر و قصبات و دیہات ہر جگہ لازم و واجب ہے اور محض بنا بر تفسیر کرخی یا بلخی کے کہ وہ مقابل دلیل ظنی کے بھی نہیں ہے، بلکہ ایک رائے محض ہے، ترک کرنا امر قطعی کا بالکل نافہمی اور ضعف ایمان کی نشانی ہے۔

اور جواب تیسرے سوال کا یہ ہے کہ نماز جمعہ فرض عین ہے۔ فرضیتِ ظہر اس سے ساقط ہو جاتی ہے، اس لیے کے صلوٰۃ جمعہ قائم مقام صلوٰۃ ظہر ہے۔ پس جس شخص نے ظہر احتیاطی ادا کیا، اس نے ایک صلوٰۃ مفروضہ کو دوبارہ ایک دن ایک وقت میں بلا اذن شارع ادا کیا اور یہ ممنوع ہے۔

عن ابن عمر قال سمعت رسول اللہ ﷺ: ((یقول لا تصلوا صلٰوۃ فی یوم مرتین)) رواہ أحمد وأبو داود والنسائی۔ (مسند أحمد ۲ ۱۹، سنن أبی داود، رقم الحدیث ۵۷۹، سنن النسائی، رقم الحدیث ۲۱۸۹)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک نماز کو دوبار ایک دن میں نہ پڑھو۔

پھر جب جمعہ بالکل قائم مقام ظہر کے ہو تو اب جمعہ کے بعد ظہر پڑھنا جائز نہیں ہوا اور کسی سلف صالحین صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ وائمہ مجتہدین ومحدثین رحمہم اللہ سے یہ ظہر احتیاطی منقول نہیں۔ یہ ان میں سے کسی نے پڑھا اور نہ حکم پڑھنے کا دیا، بلکہ یہ ظہر احتیاطی بدعت و محدث فی الدین ہے۔ پڑھنے والا اس کا عاصی و آثم ہوگا۔ کیوں کہ یہ ایک بدعت نکالی گئی ہے دین میں۔ بعض متاخرین حنفیہ نے اس ظہر احتیاطی کو نکالا ہے، جیسا کہ ''بحر الرائق شرح کنز الدقائق'' میں ہے:

''وقد أفتیت مرارا بعدم صلٰوۃ الأربع بعدھا بنیۃ آخر ظھر اخوف اعتقاد عدم فرضیۃ الجمعۃ، وھو الاحتیاط فی زماننا۔'' (البحر الرائق ۲ ۱۵۱)

''میں نے متعدد بار فتویٰ دیا ہے کہ جمعے کی نماز کے بعد چار رکعت نماز ظہر کی نیت سے نہیں پڑھی جائے گی، اس اعتقاد کے خوف کی بنا پر کہ جمعہ فرض نہیں اور یہ ہمارے زمانے میں ایک احتیاطی تدبیر ہے۔''

اور بھی ''بحر الرائق'' میں ہے :

''لھذا قال فی فتح القدیر فی بیان دلائلھا : ثم قال : إنما أكثرنا فيه نوعا من الإكثار لما تسمع من بعض الجهلة أنهم ينسبون إلى مذهب الحنفية عدم افتراضها، ومنشأ غلطهم ما سيأتي من قول القدوري ومن صلى الظهر [في منزله يوم الجمعة، ولا عذر له، كره، وجازت صلاته۔ وإنما أراد حرم عليه، وصحت الظهر] فالحرمة لترك الفرض وصحت الظهر [لما نستذكره، وقد صرح أصحابنا بأنها فرض آكد من الظهر] ويكفر جاحدها'' انتهى

''أقول : قد كثر ذلك من جهلة زماننا أيضاً، ومنشأ جهلهم صلوة الأربع بعد الجمعة بنية الظهر، وإنما وضعها بعض المتأخرين عند الشك في صحة الجمعة بسبب رواية عدم تعددها في مصر واحد، وليست هذه الرواية بالمختارة، وليس هذا القول، أعني اختيار صلوة الأربع بعدها، مرويا عن أبي حنيفة وصاحبيه۔'' انتهى كلامه۔ (البحر الرائق ۲ ۱۵۰، نیز دیکھیں : فتح القدیر ۲ ۵۰)

''اس لیے انھوں نے ''فتح القدیر'' میں اس کے دلائل کے بیان میں کہا ہے : یہاں ہم نے زیادہ تفصیل بیان کی ہے، کیونکہ بعض جاہل لوگ حنفی مذہب کی طرف اس کی عدم فرضیت منسوب کرتے ہیں۔ ان کی غلطی کا سبب قدوری کا یہ قول ہے کہ ''جس نے جمعے کے دن ظہر کی نماز اپنے گھر میں پڑھ لی اور اس کا کوئی عذر بھی نہیں تو یہ مکروہ ہے، البتہ اس کی نماز درست ہے'' تو قدوری کا مقصد یہ ہے کہ ایسا کرنا حرام ہے اور ظہر کی نماز بھی صحیح ہے اور تو یہ حرام اس لیے ہے کہ اس نے فرض جمعہ چھوڑا ہے۔ نماز ظہر کے صحیح ہونے کے دلائل ہم عنقریب ذکر کریں گے۔ ہمارے اصحاب نے ذکر کیا ہے کہ جمعہ، ظہر سے بھی زیادہ مؤکد فریضہ ہے اور اس کا منکر کافر ہے۔

''میں کہتا ہوں : ہمارے زمانے میں جہالت کی بنا پر اکثر ہوتا ہے اور ان کے جہل کا منشا جمعہ کے بعد چار رکعت نماز ظہر کی نیت سے پڑھنا ہے۔ جمعے کی صحت میں شک کی بنیاد پر اس کو بعض متاخرین نے وضع کیا ہے، اس روایت کو سبب بنا کر جس میں مذکور ہے کہ ایک ہی شہر میں متعدد جمعے نہیں ہوسکتے۔ یہ روایت قابل اختیار نہیں ہے اور نہ یہ قول (جمعے کے بعد چار رکعت نماز پڑھنا) ابو حنیفہ اور صاحبین سے مروی ہے۔ ختم شد۔''

پس مرد متبع سنت وہ ہے جو کہ اس بدعت و محدث فی الدین کی بیخ کنی کرے اور لوگوں کو اس ظہر احتیاطی کے پڑھنے سے روکے۔

''عن عائشة قالت : قال النبی ﷺ : ((من أحدث فی أمرنا ھذا ما لیس منه فھو رد)) متفق علیه۔ (صحیح البخاري، رقم الحدیث ۲۵۵۰، صحیح مسلم، رقم الحدیث ۱۷۱۸)

''عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا : جس نے ہمارے معاملے میں کوئی نئی چیز گھڑی جو ہماری شریعت میں نہیں ہے تو وہ قابل رد ہے۔''

وعن جابر قال قال رسول اللہ ﷺ : ((أما بعد! فإن خیر الحدیث کتاب اللہ، وخیر الھدي ھدي محمد، وشر الأمور محدثاتھا، وکل بدعة ضلالة)) رواہ مسلم۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث ۸۶۷)

''جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اما بعد! یقیناً سب سے اچھی بات کتاب اللہ ہے اور سب سے اچھا راستہ محمد ﷺ کا راستہ ہے اور سب سے برے امور بدعات ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ اس کی روایت مسلم نے کی ہے۔''

ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

مجموعہ مقالات، وفتاویٰ

صفحہ نمبر 424

محدث فتویٰ